اشتیاق احمد



انسپکٹر جمشید سیریز



دوسرا حصہ

محمود، فاروق، فرزانہ
اور — انسپکٹر جمشید سیریز

خونی کیمپ

اشتیاق احمد

اہتمام اشاعت
طاہر ایس ملک

پبلشر : ترتیب پبلشرز، لاہور
پرنٹر : افضل شریف پرنٹرز، لاہور
کتابت : محمد سعید نامدار
قیمت : پندرہ روپے

ترتیب پبلشرز
۱۔ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

دو باتیں

السلام علیکم! ایک صاحبہ ہیں نسیم اختر صاحبہ۔ گاڑی چلانے کی ماہر ہیں۔ لیکن کیسے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر نہیں۔ بلکہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر چلاتی ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اس کام کی یہ اکیلی ماہر ہیں۔ اس طرح کوئی اور گاڑی چلا کر نہیں دکھا سکتا۔ انھوں نے کئی بار مطالبہ کیا کہ میرے بارے میں اپنے ناول میں ذکر کروں۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے یہ مظاہرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔ پھر لکھ سکتا ہوں۔ انھوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں نے بذریعہ خط انھیں اطلاع دی کہ فلاں دن، فلاں وقت آؤں گا۔ طاہر ایس ملک کو ساتھ لے کر میں ان کے ہاں گیا۔ لیکن یہ گھر سے غائب تھیں۔ ہم پریشان ہو کر واپس چلے آئے۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ انھیں ایک کام آ پڑا تھا۔ اس کے بعد یہ بار بار مظاہرہ دیکھنے کے لیے "بلا چکی ہیں۔ لیکن میں ایک بار جا کر پریشان ہو چکا ہوں، پھر سے وقت نکالنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے جرأت نہ کر سکا۔ یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ اگر

اس بار بھی نہ ملیں تو.... لہٰذا میں مظاہرہ نہ دیکھ سکا۔
تاہم ان کا مطالبہ بدستور جاری ہے کہ آکر نہیں دیکھ سکتے
تو نہ سہی۔ کم از کم ناول میں ذکر تو کر دیں۔ پہلے میں
نے ناول میں ذکر کر دیا۔ چونکہ میں نے آنکھوں سے دیکھا
نہیں۔ اس لیے ان کا دعویٰ ہی شائع کر رہا ہوں۔
یہ نہیں لکھ رہا کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں۔

نسیم اختر صاحبہ مغل پورہ لاہور میں رہتی ہیں۔ پورا
پتا نہیں لکھ رہا۔ اس لیے کہ لڑکی ہیں۔ کسی نے انھیں
پریشان کرنا شروع کر دیا تو یہ پھر مجھ پر بگڑیں گی۔ تاہم
انھوں نے منظور کیا تو ان کا پتا آئندہ ناول میں شائع کر
دیا جائے گا۔

اشتیاق

ٹامور

انسپکٹر جمشید اور ٹامور فرزانہ کو لنگڑاتے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے
تھے اور ان کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے تھے۔ قریب پہنچتے ہی
انسپکٹر جمشید بولے:

"کیا ہوا گرین؟"

"پیر میں شاید موچ آ گئی ہے ابا جان، ٹھیک طرح سے چلا
نہیں جا رہا۔" اس نے کہا۔

"اوہ، لاؤ میں دیکھتا ہوں۔"

انھوں نے کہا اور فرزانہ کے ساتھ گھاس پر بیٹھ گئے۔ انھوں
نے اس کے پاؤں کو ہلا جلا کر دیکھا۔ دو ایک جھٹکے دیے، پھر
بولے:

"اب چل کر دیکھو۔"

فرزانہ نے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی، لیکن پاؤں پر پورا
دباؤ نہ ڈال سکی۔

"نہیں چلا جا رہا، ابا جان، میرا خیال ہے گھر چلتے ہیں۔ وہاں یا تو کسی ڈاکٹر کو بلا لیں گے، یا پھر کوئی، ہم لگا کر پٹی وغیرہ کر دیں گے" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔ انسپکٹر جمشید نے چند لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولے:

"ٹھیک ہے، آئیے مسٹر ناصور، آپ جہاں کہیں گے، ہم آپ کو اتار دیں گے۔"

"شکریہ جناب۔" ناصور نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ واپس روانہ ہوئے۔ ناصور ان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر اترا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے:

"کیا آپ یہاں نزدیک ہی رہتے ہیں۔"

"جی ہاں، یوں سمجھ لیں، میں مسٹر راکیل کا دوست ہوں۔ اچھا جناب، اب میں کل نو بجے حاضر ہوں گا۔"

"شکریہ، ہم آپ کو تیار ملیں گے۔ بشرطیکہ گرین کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔"

"کچھ بھی ہو، مجھے تو آنا ہی چاہیے۔" ناصور مسکرایا۔

"جی ہاں، ضرور۔"

اور ناصور چلا گیا۔ اب انسپکٹر جمشید نے کار آگے بڑھائی۔ لیکن اس سے پہلے ہی انہوں نے پیچھے کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت

حیران ہوئے کہ کار میں بات چیت کرنے میں کیا نقصان ہے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کار گیراج میں کھڑی کی اور اندر داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید بدستور ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اندرونی کمرے میں آگئے۔ اب انہوں نے کاغذ اور قلم جیب سے نکالا۔ اور اس پر لکھنے لگے۔

"ہمیں زبردست احتیاط کی ضرورت ہے۔ کار میں ہونے والی گفت گو کے سنے جانے کا بھی امکان تھا۔ اس گھر میں کی جانے والی گفت گو کا بھی ایک لفظ سن جا سکتا ہے۔ ہمارے گھر سے نکلنے کے بعد انہوں نے اندر اس قسم کے آلات فٹ کر دیے ہوں گے، لہذا ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے مجھے وہ چیز دے دو، جو پاس سے گزرنے والے اس آدمی نے تمہیں دی تھیں۔"

ان کا آخری جملہ پڑھ کر تینوں چونک اٹھے اور پریشان ہو گئے، کیونکہ اگر پاس سے گزرنے والے کی حرکت ان کے والد نے نوٹ کر لی تھی، تو پھر یہ بھی ممکن تھا کہ ناصور نے بھی اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی ہو، چنانچہ محمود نے کاغذ پر لکھا:

"تو آپ نے اس کی حرکت نوٹ کر لی تھی؟"

"نہیں، لیکن میں نے یہ ضرور دیکھا تھا کہ فرزانہ کے پاؤں کی موچ اصل نہیں۔ آخر کوئی تو بات تھی جس نے اسے اپنی موچ کو لمبا کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں نے سوچا کہ وہ کیا بات ہو

ہے تو مجھے وہ پاس سے گزرنے والا یاد آیا اور اسی وقت میں
سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بات ہے، پھر جب میں نے فرزانہ کے پاؤں
کو ہلا جلا کر دیکھا تو اس میں مجھے کوئی گڑبڑ نظر نہ آئی، اس پر
مجھے یقین ہو گیا۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ جب ہم نامور کے ساتھ
گھر سے نکلے تھے تو ہم نے کپڑے بھی تبدیل کیے تھے۔ تم نے
دیکھا ہو گا کہ میں نے کوٹ کے کالر میں ایک ریشمی دھاگے کا
بنا ہوا سرخ گلاب لگایا تھا۔ ایسی چیزیں لوگ عام طور پر کالروں
میں لگا لیتے ہیں، لیکن میں نے یہ گلاب ضرورت کے مطابق لگایا
تھا۔ اپنے ملک سے چلنے سے پہلے جب ہم نے سب سے ذہین
ایجنٹ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اسے اپنا پروگرام بتایا تھا تو اس نے
کہا تھا کہ اس سے ملاقات کرنے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے۔
کیونکہ یہاں کے حالات بہت خطرناک ہیں؛ البتہ اگر کوئی خطرہ نہ
ہوا تو میں کوٹ کے کالر میں دو سرخ گلاب لگا کر نکلوں۔ وہ کسی
طرح خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر خطرہ ہو تو
صرف ایک گلاب لگا کر نکلوں اور یہ بھی کہ ہم شہر کے سب سے اچھے
ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے نامور کو سب سے
اچھے ہوٹل میں لے چلنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں ہمارا وہ ایجنٹ ضرور
موجود تھا۔ جب اس نے ایک گلاب میرے کالر میں دیکھا تو وہ
ہوشیار ہو گیا اور ہم سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا؛ تاہم وہ ہماری

کار کی سمت کا اندازہ لگا کر یہ سمجھ گیا کہ ہم پرانا قلعہ دیکھنے جا
رہے ہیں؛ لہٰذا وہ ہمارے پہنچنے کے کافی دیر بعد قلعے کی طرف
روانہ ہوا تاکہ یہ خیال نہ کیا جا سکے کہ ہمارا تعاقب کرتے
ہوئے یہاں تک پہنچا ہے۔ یہاں تمہاری دوڑ نے اسے ایک
سنہری موقع عطا کیا اور وہ نامور کے نزدیک آئے بغیر اپنا کام
کر گیا۔ اب وہ چیز نکالو جو وہ دے گیا ہے۔"

"کمال ہے، آپ نے ہمیں چلنے سے پہلے یہ بات بتائی ہی
نہیں کہ یہاں کسی ایجنٹ سے بھی ہمیں رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔"

"لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس سے کوئی مدد نہیں
لے سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود نے کاغذ ان کے سامنے کر دیا۔ ابھی انہوں نے
کاغذ کھولا بھی نہیں تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ ان کے دل
دھڑک اٹھے۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کاغذ پر لکھنے لگے۔

"محمود، یہ کاغذ اٹھا کر غسل خانے میں چلے جاؤ۔ یہ لائٹر
لے لو، اسے جلا کر فلش میں بہا دینا اور کچھ دیر غسل خانے
میں ہی رہنا۔ اس آدمی کا دیا ہوا یہ کاغذ بھی لے جاؤ۔ اس پر
لکھا ہوا پیغام پڑھ کر اسے بھی بہا دینا، بشرطیکہ پیغام جلانے
کا کوئی خطرہ نہ ہو۔"

"بے فکر رہیے، میں بھولوں گا نہیں۔"

یہ کہہ کر محمود نے کاغذ سمیٹے — لالٹین اٹھایا اور غسل خانے کی طرف لپکا — انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف بڑھے، ادھر فاروق نے فرزانہ کو ایک کہنی لگائی — اس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تو فاروق نے اشاروں میں کہا۔

"اپنا پیر اس دوسری کرسی پر رکھ لو — شلوار اوپر کر لو — میں تیل کی شیشی لے آتا ہوں — یہ معلوم ہونا چاہیے جیسے ہم تمہاری موچ نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں — کیا خبر انور کا ماموں سے پوچھ کچھ کر بھی چکا ہو اور فرزانہ نے سر ہلا کر فاروق کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا۔

فاروق فوراً تیل کی شیشی نکال لایا — اتنی دیر میں فرزانہ اپنا پیر خالی کرسی پر رکھ چکی تھی — فاروق نے اس کے ٹخنے کے پاس تیل کی مالش شروع کر دی، پھر دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ہاتھ کھینچ لیا اور بولا:

"میرا خیال ہے، ابا جان کی مالش سے تمہیں ضرور آرام محسوس ہو رہا ہوگا۔"

"ہوں، معلوم تو یہی ہوتا ہے — شاید تھوڑی سی اور مالش کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں۔"

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی — سر اٹھا کر دیکھا تو راکیل ان کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

"آپ نے یوں ہی تکلیف کی جناب — میری بچی اب تقریباً ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید اس سے کہہ رہے تھے۔

"دراصل ماموں نے مجھے فون کیا تھا کہ آپ کی بچی کے پیر میں موچ آ گئی ہے، اس لیے میں خیریت دریافت کرنے چلا آیا کہ اگر کسی ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو بلا دوں۔"

"میرا خیال ہے، ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑے گی — کیوں گرین، خیال ہے؟"

"جی ہاں، میں خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے — میں نے بلا وجہ آپ کو پریشان کیا۔ تو پھر میں چلا۔"

"ابھی بھی کیا جلدی ہے، تشریف رکھیے نا۔"

"نہیں، اب کل آؤں گا، تاکہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت مہیا کر دوں۔"

"بہت بہتر — شکریہ جناب۔"

راکیل نے ہاتھ ملایا اور الٹے پاؤں رخصت ہو گیا۔

"کمال ہے، بھلا اتنی سی بات کے لیے انہوں نے کیوں

تکلیف کی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"انسانی ہمدردی مجبور کرتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ بند کرتے چلے گئے۔ واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ انہوں نے کاغذ پھیلا کر ان کے سامنے کر دیا۔ اس پر لکھا تھا:

"آپ لوگوں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو اصل بات نہیں بتا سکتا، اشارہ کر رہا ہوں۔ الوراکا نے ایک ایسی چال چلی ہے۔ اگر آپ لوگ غیر ملکی جاسوس ہیں تو اسے ضرور پتا چل جائے گا۔ کاش، آپ اس کی چال کو سمجھ جائیں؛ ورنہ آپ اس کے جال میں آئے بغیر نہیں رہیں گے۔ ہاں اگر آپ لوگ غیر ملکی جاسوس نہیں ہیں، تو پھر آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں یہ خبر آپ کو صرف اس بنا پر دے رہا ہوں کہ کہیں آپ کے ساتھ میں بھی نہ مارا جاؤں۔ اس کاغذ کو پڑھنے کے بعد جلا کر فلش میں بہا دیجیے گا؛ ورنہ میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔

راکیل"

وہ اس رقعے کو پڑھ کر ساکت رہ گئے۔ اب ان کے ذہن اور الجھ گئے تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ گھر میں کھل کر بات بھی

نہیں کر سکتے تھے۔ بات چیت صرف کھلے میدان میں کر سکتے تھے اور اس وقت کھلے میدان میں رہنا بھی انہیں شک میں ڈال سکتا تھا۔ الغرض وہ عجیب مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے فاروق کو اشارہ کیا کہ محمود کو غسل خانے سے باہر آنے کا اشارہ کر دے۔ فاروق چلا ہی تھا کہ محمود خود ہی باہر آتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ شاید اس نے بھی کاغذ پر کوئی خوفناک بات پڑھ لی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے راکیل والا کاغذ اس کے سامنے کر دیا اور جب وہ پڑھ چکا تو اشاروں میں پوچھا:

"ہاں تو ہمارے ایجنٹ نے کیا پیغام دیا ہے؟"

"اس نے لکھا ہے کہ آپ لوگ بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ الوراکا اس ملک کی خوفناک ترین شخصیت ہے۔ اسے جس پر شک ہو جائے، وہ اس کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ان حالات میں وہ ان کے کسی کام آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ پیغام دے کر بھی شاید وہ کوئی خطرہ مول لے رہا ہے۔ بہرحال آپ کے لیے اتنا تو اسے کرنا ہی تھا کہ خبردار کر دیتا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ فوراً واپس چلے جائیں۔ یہاں رہنے کی صورت میں آپ الوراکا سے نہیں بچ سکیں گے۔"

ایجنٹ کے الفاظ اور بھی سنسنی خیز تھے۔ تینوں نے پریشان ہو کر اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سے انداز میں مسکرا رہے

تھے، پھر انھوں نے راکیل کے نمبر گھمائے اور جب اس کی آواز سنائی دی تو بولے :

"مسٹر راکیل، میری بچی کے پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ کسی ڈاکٹر کا پتا بتا دیں — میں اسے کار میں بٹھا کر اس کے پاس لے جاؤں گا۔"

"اگر آپ چاہیں تو ڈاکٹر کو گھر پر ہی بلایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں، اس طرح اس کی فیس زیادہ ہو گی — میں خود ہی اسے لے کر چلا جاؤں گا۔"

"بہت بہتر، نام پتا لکھ لیجیے، آپ آسانی سے پہنچ جائیں گے ڈاکٹر ہشنام ۱۰ فیرس روڈ، گھر سے دائیں ہاتھ۔"

"شکریہ جناب۔" انھوں نے پتا لکھتے ہوئے کہا، پھر فرزانہ سے بولے :

"آؤ گڑیا چلیں — تم دونوں گھر ہی میں ٹھہرو، کیونکہ چار آدمی ڈاکٹر کے پاس جا کر کیا کریں گے۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا۔

انسپکٹر جمشید فرزانہ کو سہارا دے کر گھر سے نکلے اور کار میں بیٹھ گئے — دوسرے ہی لمحے کار گیراج سے نکل کر تیر کی طرح روانہ ہوئی — بریک لگائے بغیر وہ سیدھے چلے گئے، پھر دائیں ہاتھ مڑے اور کار کی رفتار بڑھاتے چلے گئے — انھوں نے سوچ لیا تھا، اب

کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا — فرزانہ برابر اپنے پیچھے نظر رکھ رہی تھی اس کار میں بھی وہ بات چیت نہیں کر سکتے تھے —

"کار کی رفتار تمھارے درد میں اضافہ تو نہیں کر رہی گڑیا؟" انھوں نے فرزانہ سے کہا۔

"جی نہیں، میں نے پیر اوپر اٹھا رکھا ہے۔"

"بس ہم فیرس روڈ پہنچا ہی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں — آپ فکر نہ کریں۔"

دس فیرس روڈ پر انھیں ڈاکٹر ہشنام کا مطب نظر آیا اور یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید پر جوش طاری ہو گیا کہ ڈاکٹر کے نام سے پہلے کرنل کا لفظ تھا، گویا وہ فوج میں بھی ڈاکٹر رہ چکا تھا — مطب کے سامنے کار کھڑی کر کے باہر نکلے اور مطب میں داخل ہو گئے — ان کی باری تقریباً آدھ گھنٹے بعد آئی۔

ڈاکٹر ہشنام ادھیڑ عمر آدمی تھا — انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کو اس کے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا :

"ڈاکٹر صاحب، ہم سیاح ہیں — یہاں آ کر مصیبت میں آ پھنسے بیٹھے ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اس بچی کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں — آپ نے کیا فرمایا، مصیبت میں آ بیٹھے ہیں۔"

"جی ہاں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس ملک میں انوراکا جیسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑے گا تو کبھی نہ آتے — ہم اسے مشکوک نظر آتے ہیں — اب یوں لگتا ہے جیسے ہم اس شہر میں قیدی ہوں۔"

"اوہو، تو یہ بات ہے۔ میں اس آدمی سے اچھی طرح واقف ہوں — بہت خطرناک ہے — فوج میں میرا بھی اس سے واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"تو کیا اس کا تعلق فوج سے ہے؟"

"اس کا تعلق کسی محکمے سے نہیں ہے — وہ تو ہر محکمے کے کسی بھی معاملے میں ٹانگ اڑا سکتا ہے، کوئی اسے نہیں پوچھ سکتا۔" ڈاکٹر ہشام نے منہ بنایا — انسپکٹر جمشید کو یہ آدمی کام کا لگا — اس دوران وہ فرزانہ کے پیر کا مختلف طریقوں سے معائنہ بھی کر رہا تھا اور ان سے باتیں بھی —

"آپ کیا فرما رہے تھے، آپ کا بھی اس سے واسطہ پڑ چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے —

"ہاں، میری اس سے جھڑپ ہو گئی تھی — ایک فوجی مریض پر اسے غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہ ہوا تھا — میں اس مریض کا علاج کر رہا تھا۔ انوراکا آ دھمکا — وہ اس مریض کو اپنے ساتھ کچھ اگلوانے کو لے جانا چاہتا تھا، مگر مریض کی حالت ایسی نہیں تھی کہ ذرا سی بھی سختی برداشت کر سکتا۔ لہٰذا میں نے

مریض کو لے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر انوراکا کا پارہ چڑھ گیا — دراصل میں اس سے اچھی طرح واقف نہیں تھا — بس اس نے میری اچھی بھلی بے عزتی کر دی اور زبردستی اس مریض کو اپنے ساتھ لے گیا — اس کے بعد میں نے فوج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنا مطب کھول لیا۔" ڈاکٹر ہشام تفصیل بتا گیا۔

"گویا اس شخص کی نظروں میں کسی کی بھی کوئی عزت نہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"ان حالات میں آپ ہی بتائیے، ہم کیا کریں — ہم تو سیاحت کے لیے آئے تھے اور بن گئے اس کی نظروں میں مشکوک — آپ تو اس ملک کے باشندے ہیں، آپ تو اس کے ہاتھوں محفوظ رہے، ہم کیا کریں۔"

"آپ تو واقعی بہت مشکل میں ہیں — کیا آپ دو ہی ہیں یا آپ کے اور بھی ساتھی ہیں؟"

"میں اپنے دو بیٹوں کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔"

"گھر! کیا مطلب؟" ڈاکٹر ہشام نے حیران ہو کر کہا —

"میں نے ہوٹل کی بجائے ایک گھر کرائے پر لیا ہے۔"

"اوہ، میں سمجھا — آپ کے لیے کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی طرح فرار ہو جائیں۔"

"جی ہاں، لیکن ہم جانتے ہیں، انوراکا نے ہمارے لیے تمام

راستے بند کرا دیے ہیں۔"

"ہوں! ان حالات میں آپ کی مدد صرف اور صرف پروفیسر وشپا ہی کر سکتا ہے۔"

"پروفیسر وشپا۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں، اس ملک میں انورا کا کا سب سے بڑا دشمن، اس کے ستائے ہوئے لوگ عام طور پر اسی کی ہی پناہ لیتے ہیں اور وہ معاوضہ لے کر انہیں کسی نہ کسی طرح ملک سے باہر پہنچا دیتا ہے۔"

"تو کیا انورا کا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟"

"نہیں، اس کی بھی ایک زبردست حیثیت ہے۔ وہ ہمارے صدر صاحب کی بیوی کا بھائی ہے۔ یعنی صدر صاحب کا سالا ہے، لہذا انورا کا کے رعب میں نہیں آتا۔ وہ صدر سے اپنے اسی تعلق کی وجہ سے بے شمار ناجائز فائدے اٹھاتا ہے۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ صدر صاحب کی وشپا کو یہ ہدایت ہے کہ انورا کا سے جھگڑا مول نہ لے اور انورا کا کو بھی انہوں نے یہی کہہ رکھا ہے! تاہم دونوں ایک دوسرے کی تاک میں رہتے ہیں۔" ڈاکٹر جشنام نے بتایا۔

"تو پھر ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں۔ کیسے مل سکتے ہیں، ہمارے پیچھے تو انورا کا کے آدمی سائے کی طرح لگے ہیں۔"

"اس کا بندوبست تو خیر ہو جائے گا، لیکن پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ پروفیسر وشپا کا معاوضہ بھی دے سکیں گے یا نہیں۔"

"ہمیں کتنی رقم دینا ہو گی۔"

"پچیس ہزار روپے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہ رقم دے سکوں گا۔"

"تو پھر آپ اپنی بچی کو لے کر گھر چلے جائیے گا۔ میں پروفیسر وشپا کو فون کر دوں گا۔ ایک طرح سے میں ان کا انورا کا کے مقابلے میں ایجنٹ ہوں۔ اس کے ستائے ہوئے لوگوں کو ان تک پہنچاتا ہوں، لیکن انورا کا یا اس کے آدمیوں کو اس راز کا پتا نہیں۔ میں نے آپ کی بچی کا پاؤں دیکھ لیا ہے۔ میرے خیال میں موچ نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے، کوئی رگ چڑھ گئی ہو۔ میں یہ گولیاں لکھے دے رہا ہوں۔ راستے میں رک کر لے لیجیے گا اور پھر گھر سے اس وقت تک نہ نکلیے گا جب تک کہ پروفیسر وشپا کے آدمی آپ کے دروازے تک نہ پہنچ جائیں۔ اب اپنا مکمل پتا لکھوائیے۔ مالک مکان کا نام بھی لکھوائیے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے کمپاؤنڈر کو ہدایت کی کہ گریج کے پاؤں پر پٹی کر دے۔

انہوں نے پتا لکھوایا۔ ڈاکٹر کی فیس ادا کی اور نسخہ لے کر

فرزانہ کو سہارا دیتے ہوئے باہر کی طرف چلے۔

"لیکن ابا جان، واپس جانے کا آپ کا ارادہ کب ہے؟" فرزانہ نے دبی آواز میں حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"فی الحال تو میں انورا کا کے چنگل سے نکلنا چاہتا ہوں۔ دیکھو نا، ہم نہ کار میں بات چیت کر سکتے ہیں، نہ گھر میں۔ اس طرح تو ہم بالکل بے بس ہو جائیں گے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"لیکن پروفیسر ویٹپا تو ہمیں ملک سے باہر بھیج دے گا۔"

"اس سے ملاقات ہونے پر ہی میں سوچوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔" وہ بولے۔

کار میں بیٹھ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوتے تو ایک سرخ کار یکساں فاصلے سے ان کے تعاقب میں لگ گئی۔

"یہ سرخ کار ہمارے تعاقب میں اس وقت بھی تھی جب ہم گھر سے نکلے تھے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا، پھر بولے:

"ہم تو یہاں آ کر مصیبت میں ہی پھنس گئے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ یہاں ان حالات میں پھنس جائیں گے تو کبھی اس ملک کی سیاحت کا ارادہ نہ کرتے۔ خیر، اب ہم واپسی کی ہی تیاری کر لیتے ہیں۔ یوں کیا خاک مزا آئے گا۔ جہاں بھی جاؤ، لوگ تعاقب کر رہے ہیں۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی ابا جان کہ واپس ہی چلیے۔"

"ٹھیک ہے، اب یہی کرنا ہو گا۔"

وہ گھر کے سامنے پہنچے تو انہوں نے دیکھا، دروازہ چوپٹ کھلا ہے؛ حالاں کہ دروازہ بند ہونا چاہیے تھا۔ دونوں کار باہر ہی چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھے۔

نئے ہم درد

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کے نکلتے ہی محمود نے دروازہ اندر سے بند کر دیا، پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ ادھر ادھر کی باتیں کریں گے۔

"بھئی، مزا نہیں آ رہا ہے۔ یہاں تو ہماری نگرانی شروع ہو گئی ہے، ایسے میں بھلا سیاحت کا کیا خاک لطف آئے گا۔" محمود نے کہا۔

"سچ کہتے ہو ٹونی، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"لیکن ہم واپس تو جا ہی سکتے ہیں۔"

"ہاں، کیوں نہیں — بھلا ہم واپس کیوں نہیں جا سکتے، ہم نے کوئی جرم تو کیا نہیں، نہ ہی اس ملک کا کوئی قانون توڑا ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی — دونوں نے چونک کر

ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود اٹھا اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے دیکھا، انولا کا کے چار ساتھیوں میں سے دو وہاں موجود تھے — وہ محمود کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔

"خیر تو ہے جناب، آپ لوگ پھر آ گئے۔" محمود نے برداشت سے کام لیتے ہوئے کہا، ورنہ ان کے اس طرح اندر داخل ہونے پر اسے غصہ آ گیا تھا، لیکن فوراً ہی اسے احساس ہوا، وہ اپنے ملک میں نہیں، دشمن ملک میں موجود ہیں، یہاں ان کی کوئی نہیں سنے گا، نہ ہی قانون ان کی کوئی مدد کر سکے گا، لہٰذا وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"ہم کسی وقت بھی آ سکتے ہیں — ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"نظر تو یہی آتا ہے۔" محمود نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"تو تمہاری بہن کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"راکیل یہاں اس وقت یہاں کیوں آیا تھا؟"

"ہمارے گائیڈ سے اُسے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ہماری بہن کے پیر میں موچ آ گئی ہے! چنانچہ وہ اس خیال سے چلا آیا کہ کہیں ہمیں اس کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا یہ بھائی گونگا ہے۔" دوسرے نے فاروق کی طرف

اشارہ کیا۔

"نہیں تو۔ یہ بات آپ نے کیوں کہی؟" محمود نے فوراً کہا کوئی
اور موقع ہوتا تو وہ اس فقرے پر قہقہہ ضرور لگاتا، کیونکہ فاروق کو
اور گونگا خیال کیا جائے۔

"اس لیے کہ صرف تم ہی جواب دے رہے ہو۔ یہ بالکل
خاموش بیٹھا ہے۔"

"وہ اس لیے جناب، کہ میں اس سے بڑا ہوں اور بڑوں کے
ہوتے ہوتے چھوٹے جواب نہیں دیا کرتے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ہم اپنی باتوں کے جوابات اس کے منہ سے سننا
چاہتے ہیں۔"

"اگر آپ کی یہ خواہش ہے، تو میں کچھ نہیں بولوں گا، اب
یہی جواب دے گا۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

"راکیل تم لوگوں کو کیا چیز دے کر گیا ہے؟"

"وہ تو خالی ہاتھ آیا تھا جناب۔" فاروق نے حیران ہو کر
کہا۔ دونوں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"کیا وہ اپنی کسی جیب میں کچھ ڈال کر نہیں لا سکتا۔"

"بالکل لا سکتا ہے۔"

"یہی ہم پوچھ رہے ہیں، وہ کیا لایا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"ہم گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ تم دونوں اسی جگہ ساکت
بیٹھے رہو گے۔" دوسرے نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر، لیکن تھوڑی دیر پہلے بھی تو آپ لوگ تلاشی
لے چکے ہیں۔"

"تو کیا ہوا، ہم اب پھر تلاشی کی ضرورت محسوس کر رہے
ہیں۔"

"آپ مالک ہیں، جب جی چاہے، ضرورت محسوس کر سکتے
ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔ محمود اس کے جملے پر
دل ہی دل میں مسکرایا۔ ایک بار پھر دونوں نے فاروق کو گھورا
اور ایک بولا:

"تم سے تو بہتر تمہارا بڑا بھائی جواب دیتا ہے۔"

"یہ آپ کی ہی فرمائش تھی جناب کہ جوابات میں دوں۔"

"اچھا خاموش رہو۔"

اس کے بعد انہوں نے گھر کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنا
شروع کر دیا۔ لیکن وہاں تھا ہی کیا، جو انہیں کچھ ملتا۔ محمود
کاغذ کے پرزے پہلے ہی جلا کر فلش میں بہا چکا تھا۔ آخر وہ ان
کے پاس واپس آ گئے۔ دونوں کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

"تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟"

"ہم سیاح ہیں جناب، کیا آپ کو اب تک یہ بات بھی معلوم

نہیں ہوتی۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"لڑکے ہماری باتوں کے سیدھی طرح جوابات دو! ورنہ ہم تم لوگوں کو پکڑ کر ہیڈ کوارٹر بھی لے جا سکتے ہیں اور وہاں لوگ فرفر جوابات دینے لگتے ہیں۔"

"اگر آپ کو فرفر جوابات سننے کی خواہش ہے تو پھر یہ کام میں ہی کر سکتا ہوں، یہ نہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" دونوں حیران ہو کر بولے۔

"اس کام میں میری زبان اس سے دو ہاتھ آگے ہے۔"

"مجھ سے یا میری زبان سے؟" محمود نے اچنبا کر کہا۔

"چلو یہی سہی، تمہاری زبان سے ہی سہی۔"

"تم دونوں کا دماغ تو خراب نہیں۔" ان میں سے ایک نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں جناب، خدا کے فضل و کرم سے ہم دونوں کا دماغ بالکل بخیریت ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ان لوگوں کو تو سیدھا کرنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، دونوں کو کم از کم ایک ایک ہاتھ کی ضرورت تو ضرور ہی ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"معاف کیجیے گا جناب، ہم تین تین ہاتھوں کا کیا کریں گے دو دو ہی کافی ہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

دونوں بڑی طرح جھنجلا اٹھے۔ انہوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھائے۔ ایک نے فاروق کے گال پر طمانچہ پورے زور سے مارا۔ دوسرے نے مکا محمود کی ناک کا نشانہ لے کر گھمایا۔ دونوں یک دم نیچے بیٹھ گئے، کیونکہ یک دم انہوں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ دونوں ہاتھ وصول کر لیے گئے تو ان کا حلیہ بگڑ جائے گا اور کہیں میک اپ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ میک اپ میں فرق آنے کے بعد ان کا بچنا ویسے ہی مشکل ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھپڑ اور مکا آپس میں پورے زور سے ٹکرائے۔ دونوں ہی تلملا اٹھے اور خونخوار انداز میں ان کی طرف جھکے۔ عین اسی وقت انہوں نے اپنے پیچھے آواز سنی:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

انہوں نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ محمود اور فاروق جلدی سے ان کے پاس سے ہٹ کر دیوار کے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی دروازے کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید اور فرزانہ چلے آ رہے تھے۔



انہوں کے دونوں ساتھیوں نے جب یہ دیکھا کہ آنے والے اس مکان کے کرایہ دار ہی ہیں تو وہ بے فکری کے انداز میں ...

اور فاروق کی طرف مُڑے، لیکن وہ اب وہاں کہاں تھے۔ اب تو وہ کئی گز دُور کھڑے تھے۔ دونوں نے ان کی طرف قدم بڑھائے۔

"یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"انھوں نے ہمارے ہاتھ کے تھپڑ اور مکے سے اپنے آپ کو بچایا ہے۔ اب ہم انہیں مزا چکھائیں گے۔"

"لیکن ان کا قصور کیا ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے۔

"یہ قصور کیا کم ہے کہ ہم انہیں تھپڑ ماریں اور یہ ایک دم نیچے بیٹھ جائیں۔"

"بُری بات ہے ٹونی، پاشا، تمہیں نیچے نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔" پیچھے سے فرزانہ بولی۔

"تو اور کیا کرتے؟" محمود نے منہ بنایا۔

اس وقت تک وہ دونوں محمود اور فاروق کے پاس پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ایک بار پھر انہیں مارنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھائے، لیکن اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید بھی ان کے عین پیچھے پہنچ گئے تھے۔

"ٹھہریے جناب، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" انھوں نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دونوں جھنجھلا کر پلٹے۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی، نہ صرف وہ بلکہ انوارکا کے دونوں آدمی بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ فرزانہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اور دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید اور وہ اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر چکے تھے۔ فرزانہ کے دروازہ کھولتے ہی چھ آدمی اندر داخل ہوئے، وہ نیلے رنگ کی وردی میں تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی انوارکا کے آدمی چونک اٹھے۔

"یہ لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے۔ ابھی اور اسی وقت۔" ایک نیلی وردی والے نے کہا۔

"لیکن مسٹر انوارکا کو ان پر شک ہے اور وہ ان کی نگرانی شروع کرا چکے ہیں۔" انوارکا کا ساتھی منہ بنا کر بولا۔

"لیکن ابھی تک تم ان لوگوں کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکے؛ ورنہ یہ یہاں نہ ہوتے۔"

"پروفیسر داشپا کو ان کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"یہ پروفیسر جانیں۔ ہمیں تو یہی حکم ملا ہے کہ انہیں ان تک پہنچا دیا جائے۔"

"مسٹر انوارکا اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔"

"تو ہم کیا کریں۔ ہم تو پروفیسر کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔"

"بہتر ہوگا کہ تم پہلے مسٹر انوارکا سے بات چیت کر لو۔"

"نہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ پروفیسر نے ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا، وہ خود ہی ان سے بات کرتے رہیں گے۔"

"اور اگر ہم تمہیں ان لوگوں کو لے جانے کی اجازت نہ دیں تو۔"

"تو بھی ہم انہیں لے جائیں گے۔"

"اچھا تو میں مسٹر انوارکا کو فون کر رہا ہوں۔" ایک بولا۔

"ضرور کرو، آپ لوگ فوراً ہمارے ساتھ چلیں۔"

"بہت بہتر۔"

انہوں نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور ان کے ساتھ ہو لیے۔ انوارکا کے دونوں ساتھی انہیں کینہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک انوارکا کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ جوں ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچے، سلسلہ مل گیا اور اس نے ریسیور میں کہا:

"ہیلو مسٹر انوارکا، ان لوگوں کو پروفیسر کے آدمی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ہم نے انہیں روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہیں مانے۔ آپ کہیے تو ہم انہیں زبردستی روک لیں۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر کے آدمیوں نے پستول اپنی جیبوں سے نکال لیے اور تیزی سے گھر سے باہر نکل

آئے، جہاں دو جیپیں تیار کھڑی تھیں۔

"جلدی سوار ہو جائیے۔ کہیں ہمیں ان سے مقابلہ نہ کرنا پڑ جائے۔" ان میں سے ایک نے کہا اور اچھل کر اگلی جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اگلی جیپ کے پچھلے حصے میں سوار ہو گئے۔ جب جیپیں مڑ رہی تھیں تو انہوں نے دیکھا۔ انوارکا کے آدمی دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے اور انہوں نے اندھا دھند دونوں جیپوں پر فائرنگ کر دی۔ گولیاں جیپوں کی دیوار سے ٹکرائیں۔ دونوں ڈرائیور انہیں اڑاتے ہوئے نکال لے گئے۔ فوراً ہی انہوں نے دو کاریں تعاقب میں روانہ ہوتے دیکھیں۔ ان میں سے ایک وہی سرخ کار تھی۔

"معلوم ہوتا ہے، انوارکا نے مقابلے کا حکم دے دیا ہے۔ تم لوگ بھی اپنے پستول لے کر اپنے منہ ان کی کاروں کی طرف کر لو۔ اگر فائرنگ کا سلسلہ شارع عام پر بھی جاری ہے۔ تو تم بھی ان کاروں پر فائرنگ شروع کر دینا، کیونکہ پروفیسر کا حکم یہی ہے۔ ان کی جیپ والا ڈرائیور بولا۔

"بہت خوب، پھر تو مزا آ جائے گا۔" اس جیپ میں موجود اس کے دو ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ پھر پچھلی جیپ والوں کو اشاروں میں بتایا کہ کیا کرنا ہے۔ انہوں نے بھی پستول ہاتھوں میں لے لیے اور اپنے منہ کاروں کی طرف کر لیے۔

خوف ناک رفتار سے چلتے ہوئے جیپیں اور کاریں شہر سے باہر پہنچ گئیں — اچانک ان کی جیپ والا ڈرائیور زور سے چونکا — ان سے ایک فرلانگ دور چار کاریں سڑک بلاک کیے کھڑی تھیں —

"اوہ ہم گھیر لیے گئے ہیں" اس نے پریشان آواز میں کہا۔

"اگر ہم ان لوگوں کو پروفیسر تک نہ پہنچا سکے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائے گا"

"جیپیں فوراً دائیں طرف موڑ لیجیے" اچانک انسپکٹر جمشید نے ان کی گفتگو میں دخل دیا — انہیں اس طرف مٹی کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے —

"کیا مطلب ؟ اس سے کیا ہوگا ؟" ڈرائیور نے کہا۔

"اس طرف مڑتے ہی ہم سب جیپوں سے چھلانگ لگا کر مٹی کے ان ٹیلوں کی اوٹ لے لیں گے اور ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں"

"ترکیب اچھی ہے" یہ کہتے ہی اس نے جیپ کچے میں اتار دی اور پھر دونوں جیپیں ہچکولے کھاتی آگے بڑھنے لگیں۔ پھر جوں ہی پچھلی کاریں سڑک پر اس جگہ پہنچیں، جہاں انہوں نے جیپیں اتاری تھیں — انہوں نے جیپوں سے چھلانگیں لگا دیں۔ اور تیزی سے ٹیلوں کی اوٹ لینے لگے — فوراً ہی سڑک کی طرف

سے فائر ہوئے، لیکن اس دوران وہ اوٹ لے چکے تھے —

"کاش، میرے پاس بھی ایک پستول ہوتا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا آپ کا نشانہ اچھا ہے ؟" ڈرائیور نے کہا۔

"تجربہ کر کے دیکھ لیں"

"ٹھیک ہے، میرے پاس دو پستول ہیں — ایک میں آپ کو دے دیتا ہوں، لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ پستول ہم پر ہی نہیں چلے گا"

"اپنے مددگاروں پر بھی کوئی گولی چلایا کرتا ہے"

"اچھی بات ہے، سب سے پہلے آپ ہی گولی چلا کر دکھائیے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، آپ کا نشانہ کیسا ہے"

"بہت خوب، دیجیے"

انہوں نے کہا اور نشانہ لیے بغیر سڑک کی طرف ایک فائر کر دیا — فوراً ہی ایک چیخ فضا میں گونجی۔ اس کے ساتھ ہی اگلی چار کاروں سے لوگ کود پڑے —

کالان صاحب

"شان دار — آپ کا نشانہ تو واقعی لاجواب ہے۔" ڈرائیور خوش ہو کر بولا۔

"مسٹر راجو، وہ سب لوگ مل کر حملہ کرنے والے ہیں۔" ایک نیلی وردی والے نے ڈرائیور کو مخاطب کیا — اس وقت انہیں پتا چلا کہ ڈرائیور کا نام راجو ہے۔

"کوئی بات نہیں، الوراکا کے آدمی مقابلے پر آ ہی گئے ہیں تو ہم بھی کمزوری نہیں دکھائیں گے — جو ہو گا دیکھا جائے گا — پروفیسر خود ہی سمجھتے رہیں گے — تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ اور انہیں مہلت ہی نہ دو — مسٹر راحل، میں تمہیں بھی فائر کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ پروفیسر آپ پر کوئی مقدمہ نہیں چلنے دیں گے۔"

"اچھی بات ہے — اب آپ دیکھیے گا، یہ لوگ کس طرح منہ کی کھاتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک اور آدمی کو نشانہ بنا دیا

اس کے ساتھ ہی انہوں نے دوسرے ٹیلے کے پیچھے چھپے محمود، فاروق اور فرزانہ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی اس مقابلے میں حصہ لیں۔ ظاہر ہے، وہ یہ بات اشارتاً ہی کہہ سکتے تھے، آواز دے کر نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس ایسے ہتھیار نہیں تھے، جو اعلانیہ استعمال کیے جا سکتے؛ تاہم انہیں اشارہ کرنے کے بعد وہ راجو کی طرف مڑے:

"میرے بچے بھی بہت اچھا نشانہ لیتے ہیں — کیا ان کے لیے پستولوں کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں، میرے پاس اتفاق سے اس وقت دو پستول تھے۔ میرے ساتھیوں کے پاس تو ایک ایک ہی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔"

"خیر، کوئی بات نہیں — اس کے باوجود یہ تینوں بھی کام دکھائیں گے — دشمن کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔"

"پھر تو اور بھی مزا آئے گا — اب حملہ شروع کریں۔"

ان کی طرف سے سڑک کے نزدیک پوزیشن لینے والوں پر باڑھ ماری گئی — ادھر سے بھی فائر کیے گئے، لیکن چونکہ وہ [illegible] ٹیلوں کے پیچھے تھے، اس لیے ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا — گولیوں کا تبادلہ زور شور سے جاری رہا۔ اس

وقت یہ لوگ شہری حدود سے باہر تھے، اس لیے آزادانہ گولیاں چلا رہے تھے۔ اگرچہ یہ دن کا وقت تھا۔

فرزانہ کو اچانک ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا اور اس کی سٹی گم ہو گئی، اگر اسے چند سیکنڈ کی دیر ہو گئی ہوتی تو ان تینوں پر گولیاں برسائی جا چکی تھیں۔ اس نے فوراً اپنے لاکٹ کی سوئی دبا کر اس کا رخ ان تین حملہ آوروں کی طرف کر دیا، جو چکر کاٹ کر ان کے عقب میں آ گئے تھے۔ فوراً ہی ان کے پیروں کے نیچے ایک زوردار دھماکا ہوا اور ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ساتھ ہی وہ زور سے اچھل کر نیچے گرے۔ راجو اور اس کے ساتھیوں نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا اور ان تینوں کو بے ہوش دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"اوہو، ہمارے یہ دشمن ادھر بھی پہنچ گئے تھے۔ مگر انہیں ہوا کیا ہے؟"

"میں نے اپنے علم کے زور سے انہیں بے ہوش کر دیا ہے۔ آپ انہیں گرفتار کر سکتے ہیں، یا پھر ان پر تین گولیاں ضائع کر دیں۔" فرزانہ مسکرا کر بولی۔

راجو نے پہلے تو اپنے آدمیوں کو سڑک کی طرف توجہ دینے کی ہدایت کی، پھر فرزانہ سے بولا:

"تم نے کیا کہا؟ اپنے علم کے زور سے؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں، مجھے سفید جادو آتا ہے۔" فرزانہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"سفید جادو، میں نے اس جادو کا نام پہلی بار سنا ہے۔"

"یہ مذاق کر رہی ہے۔ ویسے اسے ایسے علم سیکھنے کا خبط ضرور ہے۔ کیا خبر، اس نے کچھ سیکھ ہی لیا ہو۔" انسپکٹر جمشید نے موجودہ صورت حال کا خیال کرتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور پھر سڑک کی طرف فائرنگ کرنے لگے۔ پھر انہوں نے موقع پا کر اپنے پیچھے پڑے تینوں دشمنوں کو بھی گولی کا نشانہ بنا دیا، کیونکہ خطرہ تھا، وہ ہوش میں آ کر پھر حملہ آور نہ ہوں۔ انہوں نے راجو کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔

اور آخر آدھ گھنٹے کی جنگ کے بعد الونا کے ساتھی سات لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انہوں نے لاشیں وہیں چھوڑیں اور خود پروفیسر رشیا کی طرف روانہ ہوئے۔

"مسٹر راحل، اگر آپ کی بیٹی نے ان حملہ آوروں کو اپنے جادو کے زور سے بے ہوش نہ کیا ہوتا تو اس وقت شاید ہم شکست کھا چکے ہوتے۔ کیا یہ واقعی سفید جادو جانتی ہے؟" راستے میں راجو نے کہا۔

"جواب دو گرین۔"

"جی ہاں، مجھے تھوڑا بہت سفید جادو آتا ہے۔ ابھی میں پوری طرح ماہر نہیں ہوئی۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"اور جناب، تھوڑا سا کالا جادو مجھے بھی آتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور تمہیں کچھ نہیں آتا۔" راجو نے محمود سے کہا۔

"میرے حصے کے سب کام یہ پہلے ہی کر لیتے ہیں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تم تینوں ہو دلچسپ۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں، جیسے ہم کوئی کتاب ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا اور راجو اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ اب ان کا رخ پھر شہر کی طرف تھا۔

"اگر پروفیسر وشپا صاحب شہر میں رہتے ہیں تو پھر آپ نے جنگل کا رخ کیوں کیا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"پروفیسر کی ہمیں ہدایت یہ ہے کہ اگر کبھی الوداکا کے آدمیوں سے مقابلہ ہو جائے تو شہر سے باہر جا کر ان سے مقابلہ کیا جائے اور نتیجے سے انہیں باخبر کر دیا جائے۔"

"پروفیسر وشپا بھی کافی دلیر آدمی نظر آتے ہیں۔"

"ان کی اور الوداکا کی دشمنی بہت پرانی ہے۔" اس نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ ایک محل میں داخل ہوئے اور کافی لمبی راہداری طے کرنے کے بعد انہیں بہت بڑے اور بہترین طرز پر سجے ہوئے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں صرف راجو ان کے ساتھ رہ گیا۔ اس کمرے میں ایک اونچی سی کرسی پر ریچھ نما ایک آدمی بیٹھا تھا۔

"تو یہ ہیں وہ لوگ جو الوداکا کے ہاتھوں بہت پریشان ہیں۔" انہوں نے ایک بہت بھاری بھرکم آواز سنی۔

"جی ہاں۔" راجو نے کہا۔

"انہیں یہاں تک لانے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟" پروفیسر وشپا نے پوچھا۔

"صرف سات لاشیں گرانا پڑیں اور ان سات میں سے پانچ ان لوگوں نے گرائیں۔" راجو نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر چونکا۔

اس پر راجو نے پوری تفصیل سنا دی۔ پروفیسر وشپا کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ راجو کے خاموش ہونے پر اس نے کہا،

"مسٹر راحل کی نشانہ بازی تو خیر سمجھ میں آنے والی بات ہے، لیکن ان بچوں نے تین آدمیوں کو کس طرح بے ہوش کر دیا تھا۔"

"ان کا کہنا ہے کہ انہیں سفید جادو آتا ہے۔"

"سفید جادو؟" وشپا کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں، ان کا کہنا یہی ہے، بلکہ دوسرے لڑکے کا کہنا یہ ہے کہ اسے کالا جادو آتا ہے۔"

"کیوں بھئی، کیا آپ لوگ اپنے جادو کا کمال دکھا سکتے ہیں۔" وشپا نے حد درجے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور انسپکٹر جمشید منہ بنانے لگے۔ فرزانہ فوراً بولی۔

"جی ہاں جناب کیوں نہیں، کیا آپ کے پاس بے ہوش کرنے کے لیے کچھ آدمی ہیں؟" اس کا انداز مداریوں کا سا تھا۔

"آدمی بہت ہیں۔ راجو، پھر سات آدمیوں کو اندر بلاؤ۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"آپ لوگ میرے مہمان ہیں، تشریف رکھیے اور اب انورا کا خوف دل سے نکال دیجیے۔ وہ اب آپ کو تنگ نہیں کر سکے گا۔ اس کی پہنچ اس محل تک نہیں ہے۔"

"شکریہ جناب، ہم یہاں سیاحت کی غرض سے آئے تھے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہمیں اپنی زندگیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔"

"اب آپ لوگ بے فکر ہو کر سیاحت بھی کر سکیں گے اور اگر واپس جانا چاہیں تو واپس بھی جا سکیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

"بھئی اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ میں اپنا معاوضہ لوں گا۔" پروفیسر ہنسا۔

"ضرور جناب، آپ مطمئن رہیں۔ ہم اسی وقت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے، وہ تو خیر پہلے ہی دینا ہوگا۔"

اسی وقت راجو اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے سات آدمی تھے۔

"ہاں تو اب میں آپ لوگوں کا کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر، آپ ان میں سے جس شخص کو بھی بے ہوش دیکھنا چاہیں، اس کی طرف اشارہ کر دیں۔"

"ٹھیک ہے، سہرے والے کو بے ہوش کر کے دکھائیں۔"

"آپ ادھر آ جائیں۔" فرزانہ نے سہرے والے کو ایک طرف ہونے کا اشارہ کیا اور وہ پریشان صورت لیے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔

"دیکھیے جناب، میں اپنا علم پڑھوں گی۔ اس شخص کے پیروں میں ایک دھماکا ہو گا اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکلے گی، یہ اچھلے گا اور بے ہوش ہو جائے گا۔"

"ارے باپ رے۔ پروفیسر، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں بھئی، تم گھبراؤ نہیں۔ میں ذرا ان لوگوں کا کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں کوئی چوٹ نہیں آئے گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" اس نے بعد والا جملہ فرزانہ سے کہا تھا۔

"جی ہاں، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جائیں گے۔"

"میں یہ کرتب دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔" اس نے کہا۔ وہ واقعی ایک بچے کی طرح بے چین نظر آ رہا تھا۔

فرزانہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔ ساتھ ہی اس نے غیر محسوس طور پر لاکٹ کو پکڑ کر اس کی سوئی دبا دی۔ اپنا رخ پہلے ہی اس نے اس آدمی کی طرف کر لیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے قدموں میں دھماکا ہوا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر پڑا۔ اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ پروفیسر وشپا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور اب میں اپنا کالا جادو دکھاتا ہوں۔ آپ ان میں جس کی طرف بھی اشارہ کریں گے، میں اسے تھوڑی دیر کے لیے اندھا کر دوں گا۔"

"بہت خوب، یہ نظارا بھی میرے لیے حد درجے دلچسپ ہوگا۔ سہرے والے کو اندھا کر کے دکھاؤ۔"

"ادھر آ جائیے جناب ڈریے نہیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔"

دوسرا آدمی بھی سہمے ہوئے انداز میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ فاروق نے اپنا بال پوائنٹ قلم پہلے ہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس نے بھی چند اوٹ پٹانگ لفظ منہ سے نکالے اور قلم کو دبا دیا۔ فوراً ہی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی روشنی چمکی اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ پھر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھتا چلا گیا۔

"بہت خوب، مزا آ گیا۔ مسٹر راحل، کیا آپ کے تیسرے بیٹے نے ایسا کوئی کمال نہیں سیکھا۔"

"میں کہہ نہیں سکتا جناب، یہ خود ہی ایسے کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔ شاید اسے بھی کچھ آتا ہو۔" انہوں نے کہا۔ اب وہ بھی اسے اپنے حق میں مفید خیال کر رہے تھے کہ پروفیسر وشپا ان سے خوش ہو جائے۔ انہوں نے محمود کو اشارہ بھی کیا اور بولے:

"کیوں بھئی ٹوٹی، کیا تم بھی کچھ کمال دکھا سکتے ہو؟"

"اگر اجازت مل جائے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اجازت ہے۔"

اور تھوڑی دیر بعد محمود اپنی انگوٹھی کے ذریعے ایک آدمی کے جسم کو سن کر چکا تھا۔ پروفیسر وشپا کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"راجو، میں ان لوگوں سے تنہائی میں بات کروں گا۔ انہیں

میرے سونے کے کمرے میں پہنچا دو۔"

⊙

پروفیسر وشپا کے سونے کا کمرہ ایسا ہی تھا جیسے اس شخص کے پاس قارون کا خزانہ ہو — ہر چیز سے دولت منڈی ٹپک رہی تھی۔ ان کے پاؤں قالین میں دھنسے جا رہے تھے — راجو انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے چلا گیا۔ صرف چند منٹ بعد وہ دیکھنا آدمی اندر داخل ہوا اور ان کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اپنے بستر میں گھس گیا اور گاؤ تکیے سے کمر لگا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

سب سے پہلے تو تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ تم لوگ کون ہو میں اگرچہ اس ملک میں انولا کا سب سے بڑا دشمن ہوں، لیکن یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ اس سے زیادہ تیز چھٹی حس والا آدمی ہمارے پورے ملک میں نہیں۔ لہذا اگر اسے تم لوگوں پر شک ہے تو پھر ضرور تم لوگ درست آدمی نہیں ہوگے، لیکن مجھے اس سے غرض نہیں — میں تو ایک عرصے سے اس شخص کو کوئی زبردست قسم کی چوٹ دینے کی فکر میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں، وہ تمہارے خلاف کچھ ثابت بھی نہ کر سکے اور تم اس ملک سے فرار

بھی ہو جاؤ — لہذا میں صاف صاف سننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کون ہو۔" یہاں تک کہہ کر وشپا خاموش ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے لیے انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچا، پھر بولے:

"ہم سیاح ہیں اور بس — ہو سکتا ہے، انولا کی چھٹی حس نے اس سے پہلے کبھی کوئی غلطی نہ کی ہو، لیکن اس مرتبہ اس سے ضرور غلطی ہوئی ہے۔"

"چلو خیر — اب تم یہ بتاؤ کہ ابھی ملک کی سیاحت کرنا چاہتے ہو یا فوراً واپس روانہ ہونا؟" اس نے کہا۔

"آئے تو سیاحت کے لیے ہی تھے، لیکن جب سروں پر تلواریں لٹک رہی ہوں تو کون سیاحت کرے گا۔"

"میرے آدمیوں کی نگرانی میں تم لوگ سیاحت کا شوق بھی پورا کر سکتے ہو۔"

"نہیں جناب، البتہ ہو سکے تو میری ایک خواہش کسی طرح پوری کرا دیں۔"

"ضرور بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"سیاحت کے ساتھ ساتھ دراصل میں ایک کتاب بھی لکھ رہا ہوں — اس کتاب میں موجودہ دور کے مشہور ترین آدمیوں کے حالاتِ زندگی قلم بند کر رہا ہوں — آپ کے ملک کے کسی ایجنٹ کی شہرت میں نے بہت سنی ہے — سنا ہے، اس بار انہوں

نے دشمن ملک سے جنگ میں بہت ہی شاندار کامیابی حاصل کی ہے ۔"

"ارے تم مسٹر کالاان کی بات کر رہے ہو۔ وہ تو میرے بہت اچھے دوست ہیں — میں آج ہی تمہاری ان سے ملاقات کرادوں گا، لیکن اس کے بعد تمہارا پروگرام کیا ہے ؟"

"اس کے بعد ہم اس ملک سے رخصت ہو جائیں گے ۔"

"تو پھر میرا معاوضہ میرے حوالے کر دو — تمہیں اس ملک سے باہر بھیج دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔"

"معاوضہ ہم ساتھ لانا نہیں بھولے ۔ ڈاکٹر بھٹنام نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"وہ میرے بہت اچھے ایجنٹ ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ راکیل ....."

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ، اس نے چونک کر ریسیور اٹھایا

"ہیلو ۔" ہیلو کہتے وقت اس کی آواز اور بھی بھاری بھرکم اور بارعب ہو گئی — دوسری طرف کی بات سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے — پھر اس نے کہا :

"ٹھیک ہے، سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہو اور پل پل کی رپورٹ مجھے دیتے رہو — اس بار شاید مقابلہ بہت شاندار ہو گا ۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان سے

بولا :

"انورا کا حرکت میں آ گیا ہے — وہ بڑے پیمانے پر تم لوگوں کو پکڑنے کے انتظامات کر رہا ہے ۔ شاید اس سلسلے میں صدر صاحب سے بھی بات کرے گا — تم رقم گنو، میں کالاان کو فون کر کے یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں ۔"

انسپکٹر جمشید اپنے بریف کیس سے نوٹوں کے بنڈل نکال نکال کر میز پر رکھنے لگے ۔ ادھر وشپا پھر نمبر گھما رہا تھا ۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا اور اس نے کہا :

"کامریڈ کالاان ، کیا حال ہے ! میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ آپ ذرا میرے بنگلے پر آ جائیں ۔ ایک ضروری کام ہے — ہاں ہاں ، یہیں آنے پر بتاؤں گا ۔ بہت بہت شکریہ ۔"

"آپ راکیل کے بارے میں کچھ کہنے جا رہے تھے ۔"

"وہ ، کوئی خاص بات نہیں تھی — تم جلدی سے گنتی پوری کر لو — کالاان کو یہاں نوٹ نظر نہیں آنے چاہییں ، وہ بہت بھوکا آدمی ہے — اگر اس نے نوٹوں کی خوشبو محسوس کر لی تو پھر اس وقت تک کچھ نہیں بتائے گا ، جب تک کہ اسے بھی چند پیکٹ نہ دیے جائیں ۔"

"بہت بہتر ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

محمود ، فاروق اور فرزانہ خاموش تھے — انہیں شدید الجھن

سی محسوس ہو رہی تھی کہ نہ جانے وشپا راکیل کے بارے میں کیا کہنا چاہتا تھا۔ پیکٹ گن کر انسپکٹر جمشید نے وشپا سے کہا۔

"گن لیجیے۔"

"گننے کی کیا ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی پیکٹ اٹھائے اور اپنی تجوری میں رکھ لیے۔ اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"کالان صاحب تشریف لائے ہیں جناب۔"

"انہیں یہیں لے آؤ۔"

دوسرے ہی لمحے انہوں نے ایک قدآور آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے لالچ ٹپک رہا تھا۔

چھلانگ

"ہیلو پروفیسر، مزاج تو اچھے ہیں۔ آج مجھے کیسے یاد فرمایا۔ ارے یہ کون لوگ ہیں؟" اس نے چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انہی لوگوں کے لیے آپ کو تکلیف دی ہے۔ یہ میرے بہت ہی خاص مہمان ہیں۔ مسٹر داخل ایک سیاح ہیں۔ یہ تینوں ان کے بچے ہیں۔ یہ بھی ان کے ساتھ سیاحت پر نکلے ہیں۔ مسٹر داخل سیاحت کے ساتھ ساتھ ایک کتاب بھی لکھ رہے ہیں۔ یہ اس کتاب میں دنیا کے مشہور ترین آدمیوں کی زندگی کے حالات لکھ رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ آپ سے بھی ملنے کے خواہشمند تھے؛ چنانچہ میں نے انہیں آپ سے ملانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ امید ہے آپ انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ مسٹر داخل کے تینوں بچے حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک بھی ہیں۔ آپ ان کے کرتوت دیکھ کر بہت ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔" پروفیسر وشپا کہتا

چلا گیا۔

"کیا مطلب؟" کالان چونکا۔

"مطلب یہ کہ انہیں کالا علم قسم کے علم آتے ہیں۔"

"اوہو، اچھا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، آپ ان سے بات چیت کریں۔ میں اتنی دیر میں ذرا دو چار معاملات نبٹا لوں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور پروفیسر وشپا کمرے سے نکل گیا۔ کالان فوراً ہی اٹھا اور دروازہ بند کر دیا، پھر سرگوشی کے انداز میں بولا:

"پروفیسر نے تم سے کتنے روپیہ حاصل کیا ہے؟"

"پچیس ہزار۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"میری زندگی کے حالات کے لیے تم کیا دو گے؟"

"جو آپ کہیں، ہم کوئی غریب آدمی نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"تو پھر نکالو دس ہزار روپے۔"

"ضرور، ضرور۔" یہ کہہ کر انھوں نے نوٹوں کا ایک پیکٹ کالان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ اب پوچھو کیا بات ہے، پھر مجھے تمھارے بچوں کا کمال بھی دیکھنا ہے۔"

"دیکھیے جناب، میں آپ سے جو سوالات کرنا چاہتا ہوں، وہ اتنی جلدی ختم نہیں ہوں گے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ کل ہم آپ کی جائے رہائش پر آ جائیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کریں، ساتھ ہی آپ ان کے کمالات بھی دیکھ لیں۔"

"ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا، لیکن تم لوگ میرے ساتھ اسی وقت کیوں نہیں چلتے۔"

"ایسا ہی کیے لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے: "لیکن پہلے ہمیں پروفیسر وشپا سے اجازت لینا پڑے گی۔"

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں ابھی ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور وشپا کے بستر کے ساتھ ہی دیوار پر لگا گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ساتھ ہی دروازہ اندر سے کھول دیا۔ فوراً ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"فرمائیے جناب۔" اس نے باادب لہجے میں کہا۔

"پروفیسر صاحب سے کہو، ذرا ایک منٹ کے لیے یہاں آ جائیں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

جلد ہی پروفیسر پھر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے کالان صاحب، اتنی جلدی میری کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"ان کے سوالات جلد ختم ہونے والے نہیں ہیں، لہذا میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، تاکہ میرے بچے ان کے کمالات بھی دیکھ لیں، اور یہ مجھ سے اپنے سوالات بھی نہایت اطمینان سے کر لیں۔"

"اوہ!" پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

"کیوں، اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"دراصل ان لوگوں پر انورا کا کی نظریں بھی ہیں، میں انہیں ان سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"یہی بات ہے۔"

"تو کیا انورا کا کو ان پر کسی قسم کا شک ہے۔"

"ہاں، لیکن وہ اپنے شک کو ثابت نہیں کر سکا۔ وہ ان لوگوں کی پوری طرح نگرانی کرا چکا ہے۔ ان کی تلاشی بھی لے چکا ہے۔ ان کے پاس سے کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ بالکل بے ضرر لوگ ہیں۔ میرے آدمیوں کا کہنا بھی یہی ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، تم اپنے آدمیوں کی دو کاریں ہمارے پیچھے روانہ کر دو۔ ایک بار میں گھر پہنچ گیا تو انورا کا کچھ نہیں

کر سکے گا۔"

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی، آئیے میرے ساتھ۔ تم لوگ ذرا یہیں ٹھہریں۔" پروفیسر وشپا نے پہلے کالان سے اور پھر ان سے کہا۔

دونوں باہر نکل گئے۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے محمود کے کان میں کچھ کہا۔ فاروق اور فرزانہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ اسی وقت وشپا پھر اندر آیا اور ان سے بولا:

"آؤ بھئی۔"

وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔ کالان کی بہت بڑی کار تیار کھڑی تھی اور کالان کا ڈرائیور ان کے لیے دروازے کھولے کھڑا تھا۔ کالان جب اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تو اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور سب سے پہلے فرزانہ اندر داخل ہوئی، پھر فاروق، لیکن جب محمود اندر داخل ہونے لگا تو ڈرائیور اچانک گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"ارے، اسے کیا ہوا؟" کالان پیچھے مڑتے ہوئے چونک کر بولا۔

"پتا نہیں، کھڑے کھڑے گر گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب کیا کریں؟" کالان کے منہ سے نکلا۔

"گاڑی میں چلا لیتا ہوں۔ اسے پچھلی سیٹ پر میرے بچے سنبھال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کو راستے میں دکھاتے

چلیں گے۔"

"نہیں، ہم رک نہیں سکیں گے۔ انوراکا کے آدمی تعاقب میں ہوں گے۔ میں شارعِ عام پر ان سے جھگڑنا مناسب نہیں سمجھتا، لہٰذا ہم سیدھے گھر جائیں گے اور وہیں ڈاکٹر کو بلالیں گے۔"

"چلیے یونہی سہی۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم ڈرائیونگ میں ماہر تو ہو؟"

"جی ہاں، آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہتے ہی انہوں نے کار چلا دی۔ ان کے روانہ ہوتے ہی دو کاریں ان کے پیچھے چل پڑیں۔ ان میں وشپا کے آدمی بھرے تھے۔ کالان کی کار میں پچھلے حصے میں ڈبل بیٹھک تھیں۔ یعنی جس سیٹ پر محمود، فاروق اور فرزانہ بیٹھے تھے، اس سے پیچھے بھی ایک سیٹ تھی۔

"سیدھے چلنا ہے۔" کالان بولا۔

انسپکٹر جمشید رفتار غیر محسوس طور پر بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ جلد ہی وشپا کے آدمیوں کی کاریں پیچھے رہ گئیں۔

"تم کار بہت تیز چلا رہے ہو۔ دونوں کاریں پیچھے رہ گئی ہیں۔ اگر ایسے میں آگے سے انوراکا کے آدمی آ گئے، تو ہم الجھ جائیں گے۔ اس لیے ہمیں ان کے ساتھ ساتھ چلنا

چاہیے۔" کالان نے ذرا تیز آواز میں کہا۔

"بہت بہتر۔ میں تو ذرا آپ کو اپنی ڈرائیونگ دکھا رہا تھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے کار کی رفتار یک دم آہستہ کر دی اور پھر فوراً ہی کار بائیں طرف موڑ دی۔

"ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہو۔"

"آپ نے شاید دیکھا نہیں، سامنے سے انوراکا کے آدمیوں کی تین کاریں آ رہی تھیں۔"

"لیکن میں نے کاریں آتی نہیں دیکھیں۔ تم ضرور کوئی چال چل رہے ہو۔" یہ کہتے ہی اس نے پیٹی میں سے اپنا پستول نکال لینا چاہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے ایک دھکا سا لگا۔

"ارے میرا پستول کہاں گیا؟"

"وہ اب میری جیب میں حفاظت سے رکھا ہے۔ جس طرح آپ کا ڈرائیور بے ہوش ہو گیا تھا، بالکل اسی طرح آپ بھی بے ہوش ہو سکتے ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں اگر ہم نے آپ کو پوری رفتار سے چلتی کار سے اگر نیچے پھینک دیا تو یہ کوئی خوشگوار بات نہیں ہوگی۔ آپ زندہ بھی بچ گئے تو اپاہج ضرور ہو جائیں گے۔ شاید آپ کی ٹانگیں یا بازو آپ کے جسم کو الوداع کہہ جائیں گے۔ اس صورت میں آپ فوج کے

کسی نمبر ایجنٹ بھی نہیں رہ سکیں گے — اور پھر پروفیسر وشپا جیسے لوگ آپ کو کوئی حصہ نہیں دیا کریں گے، لہذا آپ کے لیے بہتر یہی ہے اور عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ خاموشی سے بیٹھیں رہیں اور اگر کوئی پولیس کی گاڑی یا کوئی بھی کار کو روکنے کا اشارہ کرے، تو سے اپنا مخصوص نشان دکھاتے رہیں، تاکہ ہمیں کوئی نہ روک سکے۔"

اس دوران کار کی رفتار اس حد تک تیز ہو چکی تھی کہ وہ سڑک سے کئی کئی انچ اوپر اٹھ رہی تھی — وشپا کے آدمیوں کی کاریں اب نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کار کی رفتار یک دم آہستہ کرتے ہوئے کار دائیں طرف کی سڑک پر موڑ دی تھی۔ پیچھے آنے والی کاریں تیزی سے آ رہی تھیں، اس لیے مڑ نہیں سکی ہوں گی اور آگے نکل گئی ہوں گی — اب وہ کاریں بیک کر کے ہی اس سڑک پر آ سکتے تھے۔ اس دوران وہ ان سے کافی فاصلے پر نکل آئے تھے اور برابر رفتار بڑھا رہے تھے — ہر چوک سے گزرتے ہوئے پولیس کی سیٹیاں ان کا استقبال کر رہی تھیں، مگر کالان نے اپنا ایک ہاتھ باہر نکال رکھا تھا — اس میں فوج کی ایک خاص قسم کی چھوٹی سی جھنڈی لہرا رہی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کار میں فوج کا ایک بڑا افسر جا رہا ہے، اسے روکنے کی کوشش

نہ کریں، کیونکہ وہ بہت اہم کام جا رہا ہے — کئی بار کار سامنے سے آنے والی کاروں سے ٹکراتے ٹکراتے بال بال بچی تھی — ایک بار تو بچانے کی کوشش میں الٹتے الٹتے بچی۔ کالان کا رنگ فق ہو گیا تھا — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ساکت بیٹھے تھے — فاروق اور فرزانہ نے ڈرائیور کو اپنے پیروں کے پاس ڈال رکھا تھا، جب کہ محمود کالان کی گردن کے بالکل نزدیک اپنا ہاتھ رکھے بیٹھا تھا — اس سے پہلے کہ کالان کوئی حرکت کرتا، یا چیخنے کی کوشش کرتا، وہ انگوٹھی کی نوک اس کی گردن سے چھو دیتا — انسپکٹر جمشید اسے پہلے ہی یہ ہدایت دے چکے تھے اور ان کی ہدایت پر ہی محمود نے ڈرائیور کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا —

"میرے بیٹے کا ہاتھ تمہاری گردن پر ہے۔ جوں ہی تم کوئی حرکت کرو گے — اپنے ڈرائیور کی طرح بے ہوش ہو جاؤ گے — ہمیں شہر سے باہر نکلنا ہے — جلدی بتاؤ، کون سی سڑک پر مڑیں۔ اگر تم نے غلط راستہ بتایا تو تمہارا انجام بہت بھیانک ہو گا — اور اگر ہدایت پر عمل کیا تو ہم تمہاری زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔"

"ٹھیک — ٹھیک ہے، اگلے چوراہے سے بائیں طرف موڑ لینا۔ مجھے اپنی زندگی بہت پیاری ہے — میں زندہ رہنا چاہتا ہوں، میں میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"تم کس نمبر ایجنٹ ہو؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں کیوں؟"

"کمانڈر ایجنٹ اتنے بزدل تو نہیں ہوتے۔"

"اسے شاید لالچ نے بزدل بنا دیا ہے۔" پیچھے سے فرزانہ
نے کہا۔

"ضرور یہی بات ہے۔"

چوراہا آتے ہی انہوں نے کار بائیں طرف موڑ لی۔

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" کالان کے لہجے میں حیرت تھی —
آواز تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"تمہارے ملک میں ایک آدمی بہت عقل مند ہے۔" انسپکٹر جمشید
اس کی بات کا جواب دیے بغیر بولے۔

"کیا مطلب؟" کالان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، انوارکا بہت عقل مند ہے — اس نے ہمارے بارے میں
بالکل درست اندازہ لگایا تھا — ہم غیر ملکی جاسوس ہی ہیں۔"

"کیا!" کالان نے چیخ کر کہا — خوف سے اس کی آنکھیں
باہر کو ابل آئیں۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت
نہیں — اگر تم نے کوئی غلط حرکت نہ کی تو تمہیں ضرور زندہ چھوڑ
دیا جائے گا، البتہ تمہارے ڈرائیور کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ
سکتے۔"

"مجھے ڈرائیور کی نہیں، اپنی زندگی کی فکر ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے — ہمارا پوری طرح ساتھ دو — تم زندہ
چھوڑ دیے جاؤ گے۔"

"تم کون ہو؟ کیا تم اپنا نام بتانا پسند کرو گے؟"

"اگر تمہیں زندہ چھوڑنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اس صورت
میں نام بتا سکتا تھا، اب نہیں۔" وہ مسکرائے۔

پچھلی کاروں کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا — ان کی کار
لمحہ بہ لمحہ شہر سے دور ہوتی جا رہی تھی اور اب گھنے درختوں اور
پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں، تم کیا چاہتے ہو؟"

"ذرا دیر اور صبر کرو — ہم اتنی دور نکل جانا چاہتے ہیں کہ
کوئی ہماری گرد کو بھی نہ چھو سکے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن تمہیں تو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ راستہ کہاں
لے جاتا ہے۔"

"کسی دوسرے شہر لے جاتا ہوگا۔" انہوں نے بغور اس
کی طرف دیکھا۔

"نہیں، بلکہ یہ ایک اور ہی سمت میں لے جاتا ہے۔"

"تو کیا اس سمت میں جانا ہمارے لیے خطرناک ہے؟"
محمود نے جلدی سے پوچھا — اس کا ہاتھ بدستور کالان کی گردن

سے لگا ہوا تھا۔

"ہاں" اس نے جواب دیا۔

"اگر اس سمت میں سفر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہے تو پھر تم نے ہمیں یہ بات کیوں بتائی؟" فرزانہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ تمہاری زندگیوں کو خطرہ میرے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔"

"بہت خوب، اب تم عقل مندی کی باتیں سوچ رہے ہو — اب یا تو تم یہ بتا دو کہ آگے کیا ہے؛ ورنہ ہم سیدھے اسی سمت میں چلتے رہیں گے۔"

"نہیں، میں کچھ نہیں بتا سکتا — صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس طرف تمہارے لیے خطرات ہی خطرات ہیں۔"

"اللہ مالک ہے — خطرات کا اور ہمارے راستوں کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"جیسے تمہاری مرضی — میں مجبور ہوں — تم لوگوں کو کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں؟" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"اس لیے کہ یہ قوم اور ملک سے غداری ہوگی۔"

"تو پھر خاموش بیٹھے رہو۔" انسپکٹر جمشید برا سا منہ بنا کر

کر بولے۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو — اس ملک سے باہر تو تمہیں وشپا ہی پہنچا دیتا، پھر اس گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی؟"

"پروفیسر وشپا تک تو ہم صرف اس لیے پہنچے تھے کہ کس طرح الوراکا کے آدمیوں سے نجات مل جائے۔ میں یہ بات سمجھ گیا تھا کہ راکیل پروفیسر وشپا کا ایجنٹ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ڈاکٹر بھٹنام وشپا کا ایجنٹ ہے — اسی لیے اس نے ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا، اگر گرین کے چوٹ نہ آتی تو بھی وہ ہمیں کسی نہ کسی بہانے ڈاکٹر کے پاس ضرور بھیجتا اور ڈاکٹر ہمیں پروفیسر وشپا کی پناہ لینے کا مشورہ دیتا — راکیل اپنے تینوں مکانوں کو اسی لیے کرائے پر دیتا ہے کہ جوں ہی الوراکا کو ان میں سے کسی پر شک ہو، وہ اسے الوراکا کے بارے میں بتا کر حد درجے خوف زدہ کر دے — اور پھر کسی نہ کسی طرح پروفیسر تک انہیں پہنچا دے — میں حیران ہوں کہ ابھی تک الوراکا اس بات کو کیوں نہیں سمجھا۔"

"اس لیے کہ ہر روز تو راکیل کے مکانوں میں مشتبہ لوگ آ کر نہیں ٹھہرتے — ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے — رہی پروفیسر وشپا کی بات تو اس نے مختلف ہوٹلوں میں بھی اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں۔" کالان نے بتایا —

"اوہ، تو پروفیسر وشپا اس وقت واکیل کے بارے میں یہی بات بتاتے بتاتے رہ گئے تھے" فرزانہ چونکی۔

"پھر اگر تم یہ سب کچھ اس ملک سے فرار ہونے کے ارادے سے نہیں کر رہے تو اور کیا غرض ہے۔ آخر مجھے بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"بتائیں گے مسٹر کالان، ضرور بتائیں گے، فکرمند نہ ہوں۔"

اب وہ شہر سے بالکل باہر نکل آئے تھے۔ ایک جگہ اچانک انسپکٹر جمشید نے کار کچے میں ڈال دی اور درختوں میں سے نکالتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کار بُری طرح ہچکولے کھا رہی تھی۔ اور جب سڑک سے اتنی دور آ گئے کہ کسی کو غور سے دیکھنے پر بھی سڑک سے نظر نہیں آ سکتے تھے تو انہوں نے کار روک لی اور نیچے اترتے ہوئے بولے:

"مسٹر کالان، اب آپ نیچے اتر آئیں۔ محمود، ان کی گردن سے ہاتھ ہٹا لو۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ کالان کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھرتھر کانپتی آواز میں اس نے کہا:

"تم، تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ڈرائیور کو باہر کھینچ لو۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی بات کی طرف توجہ دیے بغیر محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا۔ انہوں نے

فوراً تعمیل کی۔ ڈرائیور ابھی تک بے ہوش تھا۔

"اب تم اس کے کپڑے اتار لو۔"

"کپڑے اتار لیں؟" محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی جلدی کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" محمود نے کہا اور فاروق کی مدد سے اس کے کپڑے اتارنے لگا۔ فرزانہ ہاتھ میں لاکٹ تھامے کالان کی طرف رُخ کیے چوکس کھڑی تھی۔

"لیجیے ابا جان، کپڑے اتر گئے۔ اب کیا کریں؟"

"ادھر آؤ، کپڑے مجھے دے دو اور یہ پستول خود سنبھال لو۔" انہوں نے محمود سے کہا۔

جوں ہی انہوں نے پستول محمود کو تھمانا چاہا، کالان نے ان پر چھلانگ لگا دی۔

دشمن آ گئے

فرزانہ نے فوراً ہی لاکٹ کی سوئی دبا دی ۔ کالان کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی ۔ اس کے پیروں کے پاس دھماکا ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔

" یہ کیا کیا فرزانہ ؟" انسپکٹر جمشید ناخوش گوار لہجے میں بولے ۔

"کیوں ابا جان ، کیا میں نے غلطی کی ؟" فرزانہ بوکھلا اٹھی ۔

" ہاں ، اب ہمیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا ۔ اس دوران یہ ڈرائیور بھی ہوش میں آ جائے گا جب کہ میں جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جانے کی فکر میں تھا ۔"

" اوہ ، مجھے بہت افسوس ہے ابا جان ، دراصل میں گھبرا گئی تھی کہ کہیں یہ پستول پر نہ جھپٹ پڑے ۔"

" میں پوری طرح ہوشیار تھا ۔" انسپکٹر جمشید بولے ، "خیر کوئی بات نہیں ۔ میں یہ کپڑے پہنتا ہوں ۔ تم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو ۔"

" آخر آپ کا پروگرام کیا ہے ؟"

" ابھی کچھ نہ پوچھو ، ہو سکتا ہے ، یہ ڈرائیور ہوش میں آ چکا ہو اور جان بوجھ کر بے ہوش بنا پڑا ہو ۔ میں بلاوجہ اسے جان سے مارنا بھی پسند نہیں کروں گا ۔ ہاں ، تم کالان کے ساتھ اس کا بھی دھیان رکھو ۔" یہ کہہ کر وہ درختوں کی اوٹ میں ہو کر ڈرائیور کی وردی پہننے لگے ۔ آخر ان کی طرف آتے ہوئے بولے :

" اب میں مسٹر کالان کا ڈرائیور ہوں ، تم ان کے مہمان ہو ۔"

" جی کیا مطلب ؟" تینوں چونک کر بولے ۔

" مطلب بھی ابھی سمجھ میں آ جائے گا ۔ ذرا پہلے میں اس ڈرائیور کے ہاتھ باندھ لوں ۔ پیر اس لیے نہیں باندھوں گا کہ اس صورت میں تو یہ یہیں پڑا رہ جائے گا اور اگر دو چار دن تک کوئی ادھر نہ آیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی ۔ ہم اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ادھر واپس آ سکیں گے یا نہیں ۔"

انھوں نے جلدی جلدی اپنے بیگ میں سے رسی نکالی اور اس کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھنے لگے ۔ انھوں نے محسوس کیا ، وہ ہوش میں آنے کی تیاری کر رہا ہے ؛ چنانچہ انھوں نے دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی کنپٹی پر زور سے رسید کی اور وہ پھر بے ہوش ہو گیا ۔ انسپکٹر جمشید اسے اٹھا کر کافی دور لے گئے ۔

اس دوران محمود، فاروق اور فرزانہ برابر کالان کو جھنجوڑتے
رہے تھے۔ آخر چند منٹ کی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں
کھول دیں:

"ہم، مجھے کیا ہوا تھا؟"

"میں نے سفید علم پڑھ دیا تھا۔" فاروق بولا۔

"اوہ، کیا واقعی؟"

"ہاں، ایسے ایسے کام ہم چٹکی بجاتے میں کر سکتے ہیں۔"
محمود بولا۔

"اچھا مسٹر کالان، اب میں آپ کو اپنا پروگرام بتاتا ہوں۔
تم ذہنی طور پر چاق و چوبند ہو نا؟"

"ہاں، میں بالکل.... ارے، میرا ڈرائیور کہاں گیا؟"

"اس کے بارے میں نہ سوچو، وہ اب دور جا چکا ہے۔"

"کک۔ کیا تم نے اسے مار ڈالا ہے؟"

"میں اس راز میں کسی دوسرے کو تمہارے علاوہ شریک نہیں
کر سکتا تھا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

کالان ان کی بات سن کر ساکت رہ گیا۔ اس کی آنکھیں
پتھرا گئیں۔

"تم دیکھ ہی چکے ہو، ادھر تم نے چھلانگ لگائی تھی، ادھر
تمہارے پیروں تلے ایک دھماکا ہوا اور تم بے ہوش ہو گئے تھے۔

کہو تو ایسے دو چار تماشے اور بھی دکھا دیں۔ مثلاً میرا یہ لڑکا
اگر اپنے ناخن سے تمہارے جسم پر خراش بھی ڈال دے تو تمہارا
جسم سن ہو جائے گا اور تم بالکل بے ہوش ہو جاؤ گے، جس طرح
تمہارا ڈرائیور ہوا تھا اور اگر یہ لڑکا چاہے تو ایک سیکنڈ میں
تمہیں تھوڑی دیر کے لیے اندھا بنا سکتا ہے۔"

"آخر تم لوگ کون ہو، کیا چاہتے ہو۔ اف خدایا، تم نے
میرے ڈرائیور کو ہلاک کر دیا؟"

"اس کا خیال دل سے نکال دو۔ اپنا فکر کرو، کہو، کیا
میں تمہیں اپنا پروگرام بتاؤں؟"

"ہاں ضرور، مجھے بھی یہ بے چینی ہے کہ آخر تم لوگ چاہتے
کیا ہو؟"

"اچھا تو سنو، ہم ابھی تمہاری کار میں بیٹھ کر روانہ ہوں
گے۔ کار میں چلاؤں گا۔ تم میرے دو بچوں کے ساتھ پچھلی
سیٹ پر بیٹھو گے۔ دیکھنے والوں کو میں اس وردی میں تمہارا
ڈرائیور ہی نظر آؤں گا۔ میرا ایک لڑکا تمہاری مخصوص جھنڈی ضرورت
پڑنے پر کار سے نکال کر دکھائے گا۔ اس طرح ہمیں کوئی بھی
روکنے کی کوشش نہیں کرے گا اور ہم آسانی سے اپنی منزل پر
پہنچ جائیں گے۔ میرے تینوں بچے تمہیں ہر وقت اپنی زد میں
رکھیں گے۔ تم نے اگر کسی کو کوئی ہلکا سا اشارہ بھی کرنے

کی کوشش کی تو تمہارا وہی حال ہو گا جو ڈرائیور کا — اب تم یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گے کہ ہمیں جانا کہاں ہے، جہاں ہمیں جانا ہے، تم اس جگہ سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم ہمیں سیدھا وہاں لے جاؤ گے۔"

"ابا جان، دُور سڑک پر کئی گاڑیوں کی روشنیوں کی جھلک دکھائی دی ہے۔" فرزانہ کی آواز نے ان کی بات کاٹ دی۔

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید نے چونک کر سڑک کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"تمہارا خیال ٹھیک لگتا ہے — ہو سکتا ہے یہ غیر متعلق لوگ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الورا کا یا وشپا کے آدمی ہوں۔ ہمیں اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہو جانا چاہیے — ویسے تو امکان یہ ہے کہ یہ لوگ آگے نکلے چلے جائیں گے، کیونکہ سڑک پر سے نہ تو ہم انہیں نظر آ سکتے ہیں اور نہ سڑک پر ہم نے کوئی ایسا سراغ چھوڑا ہے۔ میں کالان صاحب کو پستول کی زد پر رکھوں گا — تم اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لو، اگر ضرورت ہوئی تو میں پستول سے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا — محمود کالان کی گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دے گا، اس طرح کہ اس کے حرکت کرتے ہی گردن پر خراش آ جائے — میں، فاروق اور فرزانہ آنے والوں سے نمٹنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ بات پھر درمیان میں رہ گئی کہ تم لوگ جانا کہاں چاہتے ہو؟" کالان نے بے چین ہو کر کہا۔

"پہلے ان لوگوں کا معاملہ صاف ہو جانے دو۔ ہاں یہ تو بتاؤ، یہ سڑک کہاں تک جاتی ہے —"

"ایک دوسرے شہر جو یہاں سے پچاس کلومیٹر دُور ہے۔ درمیان میں کوئی دیہات وغیرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"اور کیا اس دوسرے شہر، جو یہاں سے پچاس کلومیٹر دُور ہے، جانے کے لیے اس سڑک کو ہی استعمال کیا جاتا ہے؟"

"نہیں، یہ سڑک آگے جا کر بہت خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے دوسرے شہر جانے والے لوگ ایک اور سڑک استعمال کرتے ہیں۔" اس نے بتایا —

"تب پھر آنے والے ہمارے دشمن ہی ہو سکتے ہیں،" وہ بڑبڑائے اور پھر فکرمندانہ نظروں سے سڑک کی طرف دیکھنے لگے۔ روشنیاں اب قریب آتی جا رہی تھیں —



الورا کا کے سامنے سات لاشیں پڑی تھیں اور اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا — بچ کر آنے والے اس کے ساتھی اُسے

ساری تفصیل سنا چکے تھے۔

"اب پروفیسر کے برے دن آگئے ہیں، لیکن اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کو غیر ملکی جاسوس ثابت کردوں۔" وہ تلملاتے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"لیکن جناب، اب آپ انہیں جاسوس کس طرح ثابت کریں گے، وہ تو اب پروفیسر کی پناہ میں پہنچ چکے ہیں۔" ایک ساتھی بولا۔

"پروفیسر اگر انہیں ہوائی، بری یا بحری راستے سے فرار کرانے کی کوشش کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔ اس وقت تک ان راستوں کی ناکہ بندی ہو چکی ہے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس نے جب بھی کسی کو فرار کرایا، کسی خفیہ راستے سے کرایا اور ہم آج تک اس خفیہ راستے کا پتا نہیں چلا سکے۔ ایک بار مجھے اس راستے کا پتا چل جائے، پھر میں اس پروفیسر کے بچے کو وہ چکر دوں گا کہ آئیں بائیں شائیں بھول جائے گا۔"

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ راستہ اسے کمانڈر انچیف کالان نے بتایا ہے۔ ملک کے تمام خفیہ راستوں سے صرف وہی سب سے زیادہ واقف ہے۔" اسی ساتھی نے کہا۔

"شاید یہی بات ہے۔ کالان بہت لالچی آدمی ہے۔ وہ ضرور

پروفیسر سے اپنا حصہ لیتا ہوگا۔ خیر، اب میں پروفیسر کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھوں گا۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"پروفیسر کے محل میں۔"

"اور کیا ہمارے ساتھی نگرانی کر رہے ہیں؟"

"جی ہاں جناب، آپ فکر نہ کریں، وہ ہمیں پل پل کی خبر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں چاہتا ہوں، یہ لوگ کسی بھی صورت فرار نہ ہو سکیں؛ ورنہ ہم پروفیسر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ہمارے سینوں پر مونگ دلتا رہے گا۔"

"ہر ممکن کوشش کی جائے گی جناب۔"

"البرٹ بھی کوئی کام نہیں دکھا سکا، اب وہ کہاں ہے؟" الولا کا منہ بنا کر بولا۔

"اپنے کمرے میں۔"

اسی وقت وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا۔ الولا کا فوراً اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو سر، ہیلو سر۔"

"کہو، میں اس طرف موجود ہوں۔" اس نے کہا۔

"ابھی ابھی مسٹر کالان کو پروفیسر ڈشپ کے محل میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔"

"بہت خوب' میں سیٹ پر ہی موجود ہوں، کڑی نظر رکھو۔
جہاں بھی کالان یا وشپا جائیں یا ان لوگوں کو لے کر جائیں' ان
کا تعاقب کیا جائے اور ساتھ ساتھ اطلاع دی جائے۔ میں
باقی ساتھیوں کی مدد سے انہیں گھیرنے کی کوشش کروں گا"

"اوکے سر"

سیٹ بند کرکے اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"فوراً البرٹ کو بلاؤ"

"جی بہتر" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس
کی چال میں ہلکی سی لنگراہٹ تھی۔

"البرٹ' تم ایک دم نکمے ہوتے جارہے ہو۔ ہر وقت آرام
کرتے رہتے ہو۔ تمہیں جو کام سونپا گیا تھا۔ اس کے بارے
میں بھی تم نے کوئی خاص رپورٹ نہیں دی۔ اب میں تمہیں ایک
آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر تم نے اس بار بھی کچھ کام نہ
دکھایا تو پھر مجھے اپنی صورت بھی نہ دکھانا"

"بہت بہتر جناب، آپ حکم کریں" اس نے بُرا مانے
بغیر کہا۔

"ہمارے شکار تو پروفیسر کے محل میں پہنچ ہی چکے تھے،
اب وہاں کی نظر ایجنٹ کالان بھی پہنچا ہے۔ فوراً روانہ ہو جاؤ"

دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ
محل سے نکلیں تو ان کا تعاقب کیا جائے"

"جی بہتر۔ میں آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا' آپ بے فکر
رہیں"

"اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں بھی میدان میں کود
پڑوں گا"

"ٹھیک ہے سر' میں چلتا ہوں" البرٹ نے کہا اور ایڑیوں
پر گھومتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس کی آواز سنائی
دی:

"ہیلو سر' ابھی ابھی آپ کے چاروں شکار کالان کے ساتھ
نکلے ہیں' وہ کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے دو
کاروں میں وشپا کے آدمی بھی تیار نظر آرہے ہیں۔ شاید وہ
حفاظت کے خیال سے ساتھ جائیں گے"

"ان کاروں کے پیچھے تم بھی روانہ ہو جانا اور سمت بتاتے
رہنا۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے آگے پہنچ جاؤں"

"بہت بہتر" البرٹ کی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے' پروفیسر وشپا کالان کے ذریعے ان لوگوں کو
فرار کرانا چاہتا ہے"

"ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"پوری طرح ہوشیار رہو، یاد رکھو، یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے۔" الوناکا نے گویا اُسے دھمکی دی۔

"میں سمجھتا ہوں سر۔" البرٹ سہمی ہوئی آواز میں بولا اور پھر اس کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی:

"ارے، یہ کیا ہوا؟"

"مسٹر کالان کا ڈرائیور اچانک گر کر بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب وہ لوگ اسے پچھلی سیٹ پر ڈال رہے ہیں۔ لیجیے، مسٹر راحل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی ہے۔" اس نے کمنٹری کرنے کے انداز میں کہا۔

"اوہو، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اب کار چل پڑی ہے۔ وشپا کے آدمی بھی دونوں کاروں میں پیچھے روانہ ہو گئے ہیں۔"

"ضرور کوئی چکر ہے۔ ڈرائیور کا بے ہوش ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم بھی ان کے پیچھے روانہ ہو جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ سیٹ پر رابطہ مسلسل قائم رکھو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور آواز آنا بند ہو گئی۔

الوناکا نے تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور تیزی سے روانہ ہوا۔ اسے اشارے ملتے رہے۔ اور وہ کار آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک

اس نے البرٹ کو کہتے سنا:

"واقعی کوئی چکر چلایا جا رہا ہے جناب، راحل کار کی رفتار مسلسل بڑھا رہا ہے۔ اس کی رفتار کا ساتھ وشپا کے آدمی نہیں دے پا رہے ہیں۔ وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ارے یہ کیا؟ کار کی رفتار اچانک کم ہو گئی ہے۔ اور۔ اور وہ دائیں طرف یعنی مارٹن روڈ پر مڑ گئی ہے۔ پیچھے وشپا کے آدمیوں کی دونوں کاریں تیز رفتاری کی وجہ سے دائیں طرف نہیں مڑ سکیں اس لیے آگے نکل گئی ہیں۔ اب ہم مارٹن روڈ پر مڑ رہے ہیں۔ آپ مارٹن روڈ کے اگلے سرے پر پہنچ کر ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔" یہاں تک کہہ کر البرٹ خاموش ہو گیا۔

"راحل کی کار کتنی رفتار سے جا رہی ہے؟"

"شاید ایک سو دس کلومیٹر کی رفتار سے۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"اور کوئی پولیس والا انہیں نہیں روک رہا؟"

"پچھلی سیٹ سے کمانڈر انچیف کی سبز جھنڈی لہرائی جا رہی ہے۔"

"ہوں، تب تو میں مارٹن روڈ کے اگلے سرے پر اس سے پہلے نہیں پہنچ سکتا۔ خیر کوئی بات نہیں، میں تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں۔ تم تعاقب جاری رکھو۔ دیکھو، وہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔"

"بہت مشکل نظر آ رہا ہے جناب، اس کار کو راستہ دیا جا رہا ہے، جب کہ میں بے بس ہوں۔"

"اوہ، لعنت ہے تم پر۔" الوراکا نے جھلا کر کہا، پھر بولا:

"میں آندھی اور طوفان کی طرح آ رہا ہوں — پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے نکل جاتے ہیں — تم کم از کم میرے پہنچنے تک انہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"

"میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں جناب۔" البرٹ نے کہا اور ایک بار پھر سلسلہ بند ہو گیا — تھوڑی دیر بعد الوراکا کی آواز سنائی دی —

"ہیلو البرٹ، میں مارٹن روڈ پر پہنچ گیا ہوں — اور اب بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہوں — تمہارے نزدیک پہنچوں تو اشارے سے بتا دینا کہ کون سی کار راحل چلا رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے جناب، کالان کی کار میری نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔"

"کیا؟" الوراکا چلایا، پھر اس نے گرج کر کہا:

"بہر حال آگے بڑھتے رہو، میں ابھی تمام سڑکوں پر کاریں دوڑائے دیتا ہوں۔"

اور اس کے آدھ گھنٹے بعد ایک کار نے اسے اطلاع دی

"ہم شہر سے باہر جانے والی مغربی سڑک پر جا رہے ہیں۔ خیال ہے کہ کالان کی کار اسی طرف گئی ہے۔ ہمیں چند راہگیروں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔" یہ آواز اس کے ایک اور ساتھی کی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔" پھر اس نے البرٹ کو مخاطب کیا:

"البرٹ، تم بھی مغربی سڑک پر پہنچ جاؤ۔"

"جی بہتر۔" البرٹ نے دبی آواز میں کہا۔

پندرہ منٹ بعد ہی ان کی سب کاریں مغربی سڑک پر سفر کر رہی تھیں — اس وقت تک رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اور ان کی کاروں کی ہیڈ لائٹوں نے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا تھا —

کاروں کی رفتار بہت آہستہ تھی — سب سے آگے الوراکا تھا اور وہ سڑک کا بغور جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا —

جنگل میں فائر

اور پھر روشنیاں سڑک پر عین اس جگہ پہنچ گئیں، جہاں وہ درختوں میں چھپے ہوئے تھے — وہ درختوں کے پیچھے ساکت ہو گئے — محمود پوری طرح ہوشیار تھا کہ کہیں کالان حلق سے کوئی آواز نہ نکال بیٹھے — تاروں کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کو صاف دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر جمشید بھی اس وقت تک پستول کالان کی طرف ہی تانے کھڑے تھے — اس وقت انہیں سب سے زیادہ خطرہ یہی تھا کہ کہیں کالان حلق سے آواز نہ نکال بیٹھے۔ ایک بار انہوں نے جوں ہی کالان کے ہونٹوں کو حرکت میں آتے دیکھا تو فوراً ہی سرد انداز میں سرگوشی کی —

"ہمارے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو، ہم تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔"

ان کے لہجے میں ایک خوفناک پن تھا — کالان کانپ کر رہ گیا — اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔ اسی وقت انہوں

نے دیکھا، کاریں سڑک پر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا — تھوڑی دیر بعد کاریں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں، ان کی پچھلی سرخ لائٹیں بھی نظر آنا بند ہو گئیں۔

"خطرہ ٹل گیا — اب ہم ذرا جلدی جلدی کالان کو صورتِ حال بتاتے ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنا رخ کالان کی طرف کر لیا اور پستول سے اس کے دل کا نشانہ لے لیا، پھر بولے:

"مسٹر کالان، تم ہمیں کیمپ تک لے جاؤ گے۔" ان کا انداز ڈرامائی سا تھا — کیمپ کا نام سن کر کالان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے — نیم تاریکی میں بھی وہ حیرت کے آثار کو بخوبی دیکھ رہے تھے —

"کیمپ، کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

اور اسی وقت درختوں کے پیچھے سے چاند نے سر نکالا۔ شاید اب تک وہ بادلوں میں چھپا رہا تھا — اس کی کرنیں درختوں میں سے چھن چھن کر آنے لگیں — اس کی روشنی نے ان کا کام آسان کر دیا —

"کیمپ کا مطلب پوچھ رہے ہیں آپ، جب کہ آپ کمانڈنٹ ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"شاید اس لیے پوچھ رہے ہیں کہ اس سے پہلے ان سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہوگی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تم دونوں تو ہو عقل سے پیدل، مسٹر کالان کا مطلب یہ ہے
کہ ہم کون سے کیمپ کی بات کر رہے ہیں۔ تو جناب، ہماری مراد
اس خفیہ کیمپ سے ہے جو تم لوگوں نے کسی خفیہ جگہ بنا رکھا ہے
اور اس میں اپنے دشمن ملک کے جنگی قیدی رکھے ہوئے ہیں۔"
فاروق شوخ انداز میں کہتا چلا گیا۔

"کیا مطلب؟" کالان تقریباً اچھل پڑا۔

"لو، پھر مطلب چمک پڑا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں نہیں، میں تمہیں وہاں نہیں لے جا سکتا۔" کالان کی
آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو پھر تم ہمیں کہاں لے جا سکتے ہو؟" فاروق بول اٹھا۔

"فاروق، بے وقوفانہ باتیں نہ کرو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا۔"

"تم نے ٹھیک سنا مسٹر کالان، تم ہمیں اس خفیہ کیمپ تک لے
جاؤ گے، جس میں تم نے اپنے دشمن ملک کے جنگی قیدی رکھے ہوئے
ہیں۔"

"تت... تت تو... کیا... تمہارا تعلق دشمن ملک سے ہے؟"
کالان بری طرح ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں، تم ٹھیک سمجھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ٹھیک سمجھنے میں معلوم ہوتا ہے، ان کا جواب نہیں۔" فاروق

نے شوخ آواز میں کہا۔

"وحشت تیرے کی... حد ہو گئی۔" محمود اور فرزانہ نے ایک دوسرے
کے بعد کہا۔

"اب اگر تم نے منہ کھولا تو بری طرح پیش آؤں گا۔" انسپکٹر
جمشید نے فاروق کو گھورا، پھر کالان کی طرف مڑے:

"ہاں، تو تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے سامنے اس وقت
صرف دو راستے ہیں، تیسرا کوئی نہیں... پہلا تو یہ کہ ہمیں اپنی کار
میں اس کیمپ تک لے جاؤ؛ ورنہ پھر موت قبول کر لو، تمہارے
مرنے کے بعد بھی ہم کسی نہ کسی طرح کیمپ تک پہنچ ہی جائیں گے،
لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؛ البتہ تم اپنی جان سے ضرور جاؤ
گے... تمہارے بیوی بچے نہ جانے کب تک تمہارا انتظار کرتے رہیں گے،
کیونکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم کہاں غائب ہو گئے ہو۔
تمہاری لاش تک کسی کو نہیں مل سکے گی۔ ہمارے پاس کچھ ایسی
چیزیں ہیں، جن سے ہم تمہارے جسم کو پانی بنا کر بہا دیں گے، تمہارے
جسم کے ساتھ تمہارے کپڑے بھی گل جائیں گے۔" یہاں تک کہہ کر
انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے... ان کا لہجہ حد درجے سفاک تھا۔ کالان
کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔

"م... میں تمہیں وہاں لے چلوں گا... م... مگر، تم وہاں جا کر
کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہ تمہیں وہیں جا کر بتائیں گے — کیمپ کے نزدیک پہنچ کر ہم رک جائیں گے اور اس کے ارد گرد کا جائزہ لے کر آگے بڑھیں گے، تمہاری موجودگی میں بھلا کون ہمیں شک و شبہے کی نظر سے دیکھ سکے گا —" انہوں نے کہا۔

"لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو" کالان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"چلو وہ تم یاد دلا دو"

"میری گمشدگی کے بارے میں اس وقت تک خبر سارے شہر میں پھیل چکی ہوگی — یہ کام انوار کا نے کیا ہوگا — اس صورت میں میری تلاش کے سلسلے میں پولیس ہر طرف گشت کر رہی ہوگی اور افسران نے ادھر ادھر تمام محکموں پر فون کر دیے ہوں گے، لہٰذا اس کیمپ میں بھی یہ اطلاع بھیج دی ہوگی"

کالان کے الفاظ نے ان پر سکتہ طاری کر دیا — وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کالان کے ساتھ کیمپ چلے جاتے تو فوراً گرفتار کر لیے جاتے — چند لمحے تک سوچنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ اطلاع دینے والوں کو خفیہ کیمپ کا بھی خیال آ جائے — اور پھر میں نے تو سنا ہے کہ اس کیمپ کے بارے میں صرف تمہیں اور چند اور خاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو

معلوم نہیں —" انسپکٹر جمشید نے یہ جملہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا —

"میرے علاوہ جن لوگوں کو معلوم ہے، کیا وہ خفیہ کیمپ میں اطلاع نہیں بھیج سکتے —" کالان بولا۔

"خیر، دیکھا جائے گا — اب جو بھی ہو، ہمیں وہاں جانا ہی پڑے گا"

"ٹھیک ہے، ہیں...."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — اسی وقت فرزانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا —

"یہ کیا کر رہی ہو؟" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے —

"شش، شاید ہمیں گھیرا جا رہا ہے —" فرزانہ نے سرگوشی کی

انہوں نے چند لمحے تک سن گن لینے کی کوشش کی تو پھر بالکل مدھم آواز میں بولے:

"تمہارا خیال ٹھیک ہے — فوراً نیچے بیٹھ جاؤ — ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے سر کی جنبش سے اشارہ کیا اور اس نے انگوٹھی کی نوک کالان کی گردن میں چبھو دی — وہ کوئی آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو کر گر پڑا —

اس کے ساتھ ہی وہ بھی نیچے بیٹھ گئے — انسپکٹر جمشید اپنی اشاروں میں ہدایات دینے لگے — انہوں نے کالان کو اٹھا کر ایک

گھنے درخت کے ساتھ ٹکا دیا اور خود اس درخت پر چڑھنے لگے — محمود، فاروق اور فرزانہ آس پاس کے ایک ایک درخت پر چڑھنے لگے — فاروق سب سے پہلے درخت کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنا پین نکال کر ہاتھ میں لے لیا — محمود اس کے چند سیکنڈ بعد پہنچا، لیکن وہ دشمنوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ انگوٹھی تو نزدیک سے جا کر مس کی جا سکتی تھی — فرزانہ کا نمبر تیسرا تھا۔ اس نے اوپر پہنچ کر اپنا لاکٹ ہاتھ میں لے لیا۔ انسپکٹر جمشید فاروق کے ساتھ ہی درخت کے اوپر پہنچ چکے تھے اور ان کے ہاتھ میں پستول تھا، انگلی ٹریگر پر تھی، لیکن وہ فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے — اس وقت اگر وہ فائرنگ شروع کراتے تو دشمنوں کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہیں، لہذا اب جنگ کا دارومدار فاروق اور فرزانہ کے ہتھیاروں پر تھا — اگر نیچے کالان موجود نہ ہوتا تو شاید دشمن انہیں تلاش کر ہی نہیں سکتے تھے اور سر ٹکرا کر واپس چلے جاتے، لیکن مشکل یہ تھی کہ کالان کے ساتھ کچھ فاصلے پر اس کی کار بھی موجود تھی — اگر وہ کسی طرح کالان کو اوپر کھینچ بھی لیتے تو بھی اس کی کار دشمنوں کو ضرور نظر آ جاتی؛ لہذا انہوں نے کالان کو بھی اوپر لانے کی کوشش نہیں کی تھی — اور پھر انہوں نے ایک آواز سنی:

"ارے، یہاں ایک کار کھڑی ہے۔"

"بس تو پھر وہ لوگ ضرور یہیں کہیں چھپے ہیں۔ اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لو اور سرچ لائٹوں سے اس جگہ کو جگمگا دو — میں دیکھتا ہوں، وہ بچ کر کہاں جاتے ہیں۔"

انہوں نے صاف محسوس کیا، آواز انوارا کی تھی —



چاند اب کافی اوپر آ گیا تھا — اس کی روشنی اب درختوں میں سے چھن چھن کر زمین تک پہنچ رہی تھی — تاہم یہ روشنی ناکافی تھی اور اس میں دشمن انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن انوارا کے منہ سے سرچ لائٹوں کا ذکر سن کر وہ پریشان ہو گئے — جلد ہی انہوں نے سرسراہٹ کی آوازیں سنیں — آنے والوں کا دائرہ لمحہ بہ لمحہ چھوٹا ہوتا جا رہا تھا؛ گویا بہت جلد وہ اس درخت تک پہنچنے والے تھے، جس کے نیچے کالان پڑا تھا اور اس کے بعد کیا ہونے والا تھا، یہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ابھی دائرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ اچانک چار سرچ لائٹوں کی روشنیاں چاروں طرف سے ان کے درختوں اور آس پاس کی جگہ پر پڑیں — آس پاس کی جگہ پوری طرح روشنی میں نہا گئی۔ قریب تھا کہ انہیں دیکھ لیا جاتا اور کالان بھی ان لوگوں کی

نظروں میں آ جاتا کہ اچانک انسپکٹر جمشید کی انگلی حرکت میں آگئی۔
فوری طور پر چار فائر ہوئے اور جنگل میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔
سرچ لائٹوں کے بجھنے کے ساتھ چار چیخیں بھی فضا میں ابھری تھیں۔
اگرچہ گولیاں سرچ لائٹوں کو سنبھالنے والوں کو نہیں لگی تھیں، لیکن
یہ چیخیں خوف کی وجہ سے نکلی تھیں۔

"فائر۔" افسر چیخا۔

دوسرے ہی لمحے اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔
انسپکٹر جمشید فکرمند ہو گئے کہ کہیں کوئی گولی ان کے لگ گئی
تو کیا ہوگا۔ ان کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جاتا۔ ابھی
تک وہ دشمنوں کی تعداد کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے
خدا جانے وہ کتنے تھے۔ انہوں نے فائر کچھ اس تیزی سے کیے
تھے کہ ابھی دشمن کو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا، وہ کہاں
چھپے ہیں۔ سرچ لائٹوں کے بجھ جانے کی وجہ سے وہ کچھ دیر
کے لیے بالکل محفوظ ہو گئے تھے۔

فاروق کو اپنے والے درخت کے بالکل نزدیک جھاڑیوں
میں جنبش محسوس ہوئی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے پستول
اس طرف کر لیا اور جونہی اسے دشمن نظر آیا، اس نے ٹریگر
دبا دیا۔ فوراً ہی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کا جھماکا ہوا
اور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے دشمن کے حلق سے ایک دردناک چیخ

نکل گئی۔ ساتھ ہی پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے دونوں
ہاتھ آنکھوں پر جم گئے۔ محمود نے بھی یہ منظر صاف دیکھا تھا۔ نہ جانے
اسے کیا سوجھی کہ آہٹ پیدا کیے بغیر نیچے اترنے لگا اور پھر
سینے کے بل اس پستول کی طرف بڑھنے لگا جو دشمن کے ہاتھ سے
نکلا تھا۔ ابھی اس نے پستول اٹھایا ہی تھا کہ دائیں طرف ہلکی
سی آہٹ ہوئی، وہ فوراً ادھر مڑا اور دھک سے رہ گیا۔ ایک
دشمن اس کے عین سر پر پہنچ چکا تھا اور اس کی انگلی ٹریگر پر
دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔ اس نے بلا کی پھرتی سے ایک پلٹی
کھائی۔ اس کے ساتھ ہی پستول سے گولی نکلی۔ گولی زمین پر لگی
اور بہت سی مٹی اچھل گئی۔ عین اسی وقت دشمن کے پاؤں
سے ایک دھماکا ہوا۔ اس کے حلق سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ
بے ہوش ہو گیا۔ محمود سمجھ گیا کہ فرزانہ نے اس کی جان بچائی ہے۔
اب وہ دشمن کی طرف بڑھا اور اس کا پستول قبضے میں کر لیا۔

"بس لڑکو! اب اوپر آ جاؤ۔ نیچے خطرہ زیادہ ہے۔" اسے
انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

وہ اپنے درخت کی طرف مڑا اور ساتھ ہی اس نے پستول
کا ٹریگر دبا دیا۔ اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو دشمن کی جگہ اس
کی لاش تڑپ رہی ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی اوپر سے بھی ایک
فائر ہوا۔ محمود نے اپنی کمر کی طرف کسی کے گرنے کی آواز سنی۔

وہ بوکھلا کر مڑا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک اور دشمن پڑا تڑپ رہا تھا۔ شاید اس جگہ کو پوری طرح گھیر لیا گیا تھا اور آس پاس بہت سے دشمن موجود تھے۔ اب محمود کے لیے اوپر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ وہ پیٹ کے بل لیٹ کر چاروں طرف گردن گھمانے لگا۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ شاید دشمن خوفزدہ ہو گیا تھا، یا پھر کسی اور رخ سے حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اب محمود کے پاس تین پستول ہو گئے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ان میں سے دو فاروق اور فرزانہ کو دے دے۔ یہ سوچ کر وہ اس درخت کے نیچے آیا، جس پر فرزانہ موجود تھی۔ اس نے اوپر دیکھا، فرزانہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ لو گرین" اس نے ہاتھ اوپر کر کے اشاروں میں کہا اور پھر پستول اوپر اچھال دیا۔ فرزانہ پہلے ہی اسے دبوچنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے پستول دبوچ لیا۔ اب محمود فاروق کے درخت کی طرف کھسکنے لگا۔ اسی وقت ایک گولی اس کے سر سے صرف ایک انچ اوپر سے گزر کر ایک درخت کے تنے میں دھنس گئی۔ اس نے اپنا سر فوراً نیچے کر لیا۔ فوراً ہی اوپر سے ایک فائر کیا گیا۔ جواب میں ایک چیخ ابھری۔ یہ نشانہ انسپکٹر جمشید نے لیا تھا۔ اب پھر محمود کھسکنے لگا۔ آخر فاروق کے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ اس نے فاروق کو بھی

پستول دبوچ لینے کا اشارہ کیا۔ اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر پستول اچھال دیا۔

اب ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک پستول تھا۔ لیکن محمود نیچے پھنس کر رہ گیا تھا۔ وہ جوں ہی اپنے درخت پر چڑھنے کے لیے اوپر ہوتا، اس پر گولی چلائی جاتی اور وہ پھر زمین پر لیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ ہی اوپر سے فائر ہوتا۔ اور اس پر گولی چلانے والا چیخ اٹھتا۔ اور پھر انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ کو گویا یہی گر ہاتھ آ گیا۔ جوں ہی کسی سمت سے محمود پر فائر کیا جاتا، وہ اس سمت میں فائر کر دیتے۔ اب دشمن نے بھی ان کی درختوں پر موجودگی کو بھانپ لیا تھا، لہٰذا وہ درختوں کی شاخوں پر بھی فائرنگ کر رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید اس صورت حال سے پریشان ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا، کھیل لمبا ہو گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ ابھی تک کالا ان کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ دیتا بھی کیسے، وہ بے ہوش پڑا تھا اور اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے قابل نہیں تھا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے ایک فیصلہ کیا۔ انہوں نے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لیا، پھر ان کی نظریں اس سمت میں جم گئیں، جس سمت سے انہوں نے فوراً کا

کی آواز سنی تھی — اس طرف انہوں نے ایک سرچ لائٹ پر بھی
فائر کیا تھا — سمت کا اندازہ کرنے کے بعد وہ درخت سے
نیچے اترنے لگے — ایسے میں بھی پستول ان کے ہاتھ میں تھا —
انہوں نے فاروق اور فرزانہ کو بدستور اوپر ہی رہنے کی ہدایت
کی تھی اور یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ جب انوراکا کی طرف وہ بڑھیں
اسی وقت وہ اندھا دھند دوسری طرف فائر کر دیں تاکہ دشمن
کی توجہ ہٹ جائے اور اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر وہ اس
طرف بڑھ جائیں، جس طرف ان کے خیال میں انوراکا موجود تھا —
ساتھ ہی انہوں نے محمود کو اشارہ کیا کہ وہ زمین پر ہی رہے،
اور کانوں کا دھیان رکھے —

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید پیٹ کے بل اس سمت میں تیزی
سے رینگ رہے تھے — وہ اس دائرے سے نکل کر دشمن کی کمر
پر پہنچ کر حملہ کرنے کا پروگرام بنا کر نکلے تھے —

گھریلو نام

اگر محمود، فاروق اور فرزانہ نے دشمن کی توجہ دوسری طرف نہ
لگادی ہوتی تو انسپکٹر جمشید اتنی آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔ ایک
نیم دائرے کی صورت میں چلتے ہوئے وہ اس جگہ سے بھی دور نکل
آئے — جہاں انہوں نے سرچ لائٹ جلتے دیکھی تھی اور پھر انہوں
نے اپنے سامنے چند جیپیں کھڑی دیکھیں۔ ان کی تعداد چار تھی؛
گویا دشمن چار جیپوں پر سوار ہو کر آئے تھے — اس حساب سے
ان کی تعداد بیس کے قریب ہو سکتی تھی، جس میں سے تقریباً دس
دشمنوں کو وہ ٹھکانے لگا چکے تھے؛ گویا ابھی دس دشمنوں سے
نپٹنا باقی تھا — ان کے ذہن میں نہ جانے کیا آئی کہ ان جیپوں
کی طرف رینگنے لگے — پہلے تو ان کے اندر باری باری داخل ہو
کر وائرنگ میں توڑ پھوڑ ڈالی اور پھر باہر نکل کر ایک ایک
فائر ایک ایک ٹائر پر کر ڈالا —

دشمن بوکھلا گیا — اسے کمر کی طرف سے حملے کی امید نہیں

تھی۔ وہ ایک دم پلٹ کر جیپوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اتنی
دیر میں انسپکٹر جمشید جیپوں کے دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔ ادھر
محمود، فاروق اور فرزانہ کو دشمن کے اچانک مڑنے سے موقع مل
گیا۔ انہوں نے مل کر کالان کو اٹھایا اور اسے کسی نہ کسی طرح
اس کی کار کے قریب لے گئے۔ اس کا آدھ گھنٹے سے پہلے
ہوش میں آنا ناممکن تھا، لہذا انہوں نے اسے کار کی ڈگی میں
ڈال دیا اور ڈگی کو تھوڑا سا کھلا رہنے دیا۔ چابیوں کا گچھا انہیں
کالان کی جیب سے مل گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اس
سمت میں رینگنے لگے، جس طرف فائرنگ ہو رہی تھی اور اس
طرح وہ دشمن کی کمر پر پہنچ گئے، کیونکہ اس وقت تک وہ سب
کے سب جیپوں کی طرف مڑ چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں
یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ دشمن کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ حملہ
کرنے سے پہلے یہ اندازہ لگانا ان کے لیے بہت ضروری تھا۔
ورنہ خود وہ دشمن کی گولیوں کی زد میں آ جاتے! چنانچہ نزدیک
پہنچ کر وہ دم سادھ کر لیٹ گئے۔ اس طرح انہیں جلد ہی یہ
اندازہ ہو گیا کہ دشمن کس کس جگہ سے دوسری طرف فائر کر رہا
ہے۔ اب انہوں نے اندازے سے فائرنگ شروع کی اور اس سے
پہلے خود اس طرح لیٹ گئے تھے کہ گولیوں سے ہر ممکن حد تک
محفوظ رہیں۔ اب دشمن پر دو طرف سے فائرنگ ہونے لگی تھی

لیکن چونکہ ان کی طرف آنے والی گولیوں کی تعداد بہت کم تھی۔
اس لیے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ
دشمن مکمل اندھیرے میں تھا۔ چاند ایک بار پھر بادل کی اوٹ
میں چلا گیا تھا، اس لیے وہ صرف اندازوں کی بنیاد پر فائر کر
رہے تھے۔ وہ بھی بہت سوچ سمجھ کر، کیونکہ ان کے پاس تو
فالتو گولیاں بھی نہیں تھیں۔

جنگ اگرچہ طول پکڑ گئی تھی، لیکن انہیں اب ایک اطمینان
تھا اور وہ یہ کہ یہ لوگ شہر سے مدد نہیں منگا سکتے تھے۔ محمود،
فاروق اور فرزانہ بھی فائروں کے چھٹنے کی آوازیں سن چکے تھے۔
تقریباً ایک گھنٹے کی جنگ کے بعد فائروں کی آوازیں بند ہو گئیں۔
ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تمام دشمن ختم ہو گئے یا ان میں
سے کچھ باقی ہیں۔ خود انہیں بھی ایک دوسرے کے بارے میں
کچھ معلوم نہیں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ فائروں کی آوازوں کے
سہارے نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید
کو کالان کا خیال آیا۔ وہ پریشان ہو گئے، کیونکہ محمود، فاروق اور
فرزانہ اب اس جگہ تو تھے ہی نہیں؛ چنانچہ وہ اندازے کے سہارے
اس درخت کی طرف رینگنے لگے، جس کے نیچے انہوں نے کالان
کو چھوڑا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ اپنے اندازے کے مطابق
اس درخت کے نیچے پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ

کالاش وہاں نہیں تھا۔۔۔انہیں فوراً اس کی کار کا خیال آیا، وہ ادھر مڑ گئے۔۔۔جب وہ کار کے نزدیک پہنچے تو تاریکی کچھ زیادہ ہی ہو چلی تھی۔ انہوں نے تاریکی میں ایک سائے کو کار کے پاس کھڑے دیکھا۔ یہ کالاش بھی ہو سکتا تھا اور دشمن کا کوئی آدمی بھی، اس لیے وہ گولی نہیں چلا سکتے تھے۔ سایا کار کے پچھلے حصے کی طرف کھڑا تھا اور عین اسی وقت چاند نے اپنا ایک سرا باہر نکالا۔۔۔ تاریکی ایک دم چھٹی اور انہوں نے اس سائے کو صاف ہوتے دیکھا اس کے نقش و نگار انہیں صاف نظر آنے لگے۔ اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ تامور تھا، ان کا گائیڈ۔

اسے کالاش کی کار کے پاس کھڑے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔ وہ آہٹ پیدا کیے بغیر اس کی طرف رینگنے لگے ہی تھے کہ انہوں نے تامور کو کار کی ڈگی کا ڈھکن اوپر اٹھاتے دیکھا۔۔۔ وہ اپنی جگہ رک گئے، تاکہ دیکھیں تو سہی، تامور کیا کرنا چاہتا ہے۔ اسی وقت انہوں نے محمود کی آواز سنی:

"ہیلو مسٹر تامور، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

تامور چونک کر مڑا اور اپنے سامنے محمود کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ انسپکٹر جمشید کو اس کی مسکراہٹ میں ہلکا سا طنز نظر آیا اور پھر وہ مسکرا کر بولا۔۔۔

"اسے ایک اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"اتفاق، کیا مطلب؟" محمود چونک کر بولا۔

"میرا خیال ہے محمود۔۔۔ یہ شخص انوراکا سے ملا ہوا ہے۔" دوسری طرف سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔۔۔ انہوں نے دیکھا، فرزانہ پستول تھامے تامور کی کمر کی طرف نمودار ہوئی تھی۔۔۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر تامور۔"

"یہ تم کیا کر رہی ہو فرزانہ، مسٹر تامور ہمارے گائیڈ ہیں اور انہیں ہمارے لیے مسٹر راکیل یعنی مالک مکان نے بھیجا تھا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔۔۔

"سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔۔ انہیں تو اس وقت اپنے گھر میں ہونا چاہیے تھا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ یہ انوراکا کا آدمی ہے۔" فرزانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔۔۔ اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہیں ہو رہی تھی۔۔

"کیوں مسٹر تامور، کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں، تمہاری بہن بہت ذہین ہے۔"

"ہم خود اس کی ذہانت کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے ہیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔۔۔

"لیکن محمود، میری ذہانت ہاتھوں والی کب ہے؟" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔۔۔

"فاروق کے انداز میں باتیں مت کرو — ارے، مگر فاروق ہے کہاں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر آس پاس ہوتا تو ....." فرزانہ کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، کیونکہ اسی وقت تامور نے حیرت بھرے انداز میں کہا تھا:

"محمود، فاروق، فرزانہ — کیا مطلب؟ تم لوگوں کے نام تو ٹونی، پاشا اور گرین تھے۔"

وہ ساکت رہ گئے — روانی میں انہیں یہ خیال بھی نہیں رہا تھا کہ اس ملک میں ان کے نام کیا ہیں! پھر محمود نے سنبھل کر کہا —

"یہ ہمارے گھریلو نام ہیں، یعنی پیار کے نام، تم نہیں سمجھو گے — خیر، یوں سمجھ لو کہ یہ نک نیم ہیں۔"

"نک نیم، مگر اس قسم کے نام ہمارے دشمن ملک کے تو ہرگز نہیں ہوتے۔"

"نہیں ہوتے ہوں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا —

"مسٹر تامور، تم چونکہ انولاکا کے آدمی ہو، سچ مچ کے گائیڈ نہیں ہو — اس لیے ہاتھ اوپر اٹھا دو — میں تمہاری جیبوں کی تلاشی لوں گا۔" محمود نے کہا

"میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"تم غلط سمجھے، میں ہتھیار نہیں، وہ پیسے وصول کرنا چاہتا

ہوں جو تم نے بطور گائیڈ ہم سے وصول کیے تھے، لیکن چونکہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تم گائیڈ کے بھیس میں ہماری جاسوسی کر رہے تھے، لہٰذا تم اس نقدی کے ہرگز حق دار نہیں ہو۔"

"اس وقت میری جیب میں وہ نقدی بھی نہیں ہے — میں نقدی جیب میں لے کر گھر سے نہیں نکلا کرتا۔"

"اچھا کرتے ہو! بہرحال اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور تامور کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے — پھر اس نے کہا:

"تمہارے نام مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں۔"

"ابھی ہماری کئی چیزیں تمہیں الجھن میں ڈالیں گی۔" فرزانہ ہنسی —

دونوں اس سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ نہ جانے ان کے والد اور فاروق کہاں رہ گئے — وہ زخمی تو نہیں ہو گئے — انہوں نے سنا، تامور کہہ رہا تھا:

"میں حیران ہوں، تم نے کالان کو ڈگی میں کیوں ڈال رکھا ہے —"

"یہ الفاظ سن کر انسپکٹر جمشید چونکے، پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی — تو یہ عقل مندی ان تینوں سے سرزد ہوئی تھی — یہ سوچ کر وہ مسکرانے لگے —

"اس کی وجہ اگر تمہیں معلوم ہو گئی تو پھر تم زندہ نہیں

چھوڑے جا سکتے۔ لہذا یہ سوال نہ کرو۔" محمود نے گویا اسے نیک مشورہ دیا۔ عین اسی وقت ٹامود بجلی کی سی تیزی سے مڑا اور فرزانہ کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ دے مارا۔ فرزانہ کے حلق سے گھٹی گھٹی ایک چیخ نکل گئی۔ محمود نے ٹامود پر ایک فائر کرنا چاہا، لیکن وہ تیزی سے فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے آگے لے آیا۔

"ہاں، اب کرو فائر، تاکہ گولی تمہاری بہن کے جسم سے نکلتی ہوئی میرے جسم میں داخل ہو جائے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

محمود ساکت رہ گیا۔

"اگر فائر نہیں کرتے تو پستول گرا دو، کیونکہ تمہاری بہن کے کندھے اس وقت میرے فولادی ہاتھوں کی گرفت میں ہیں، اور اس تکلیف کو برداشت کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔"

محمود نے فوراً فرزانہ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"کیوں فرزانہ، کیا تم تکلیف میں ہو؟"

"نہیں محمود، پستول نہ گرانا۔ اس کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دو۔ یہ مجھ سے بہت لمبا ہے اور تمہارا نشانہ اچھا ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آؤ، جلدی کرو۔" یہ کہتے وقت فرزانہ کا چہرہ اور سرخ ہو گیا۔ شاید ٹامود نے کچھ زیادہ ہی زور لگا دیا تھا۔

محمود سمجھ گیا کہ اب اسے پستول گرانا ہی پڑے گا، فرزانہ کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرنے میں خطرہ تھا، چنانچہ اس نے پستول نیچے گرا دیا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" فرزانہ چلا اٹھی۔

"گولی تمہیں بھی لگ سکتی تھی فرزانہ، اس لیے میں مجبور تھا۔ ٹامود، اب میری بہن کو چھوڑ دو۔"

"یوں نہیں، اس پستول کو ٹھوکر مار کر میری طرف کرو، تاکہ میں اسے آسانی سے اٹھا سکوں۔" ٹامود نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم اگر الفوا کے آدمی ہو تو مسٹر رابیل نے تمہیں ہمارے پاس کیوں بھیج دیا تھا؟" محمود نے پستول کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ پستول ٹامود کے پاس رکنے کی بجائے اس سے کچھ آگے چلا گیا۔ ٹامود نے پہلے تو گردن گھما کر یہ دیکھا کہ پستول کہاں ہے، پھر فرزانہ کو محمود کی طرف ایک زوردار دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی محمود سے جا ٹکرائی۔ ٹامود تیزی سے مڑا، پستول پر جھک گیا، لیکن ایک فائر ہوا اور پستول اس جگہ سے غائب ہو گیا۔ وہ نہ جانے کہاں جا گرا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر ٹامود، اور محمود کے سوال کا جواب دو۔" ٹامود نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا، وہاں فاروق پستول سنبھالے کھڑا تھا۔

"جیو فاروق، تم نے بھی خوش کر دیا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ، میں اتنا خوش قسمت کہاں کہ تمہارا جی خوش کر سکوں۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہائیں، انگارے کیوں چبا رہے ہو؟"

"انگارے چبا رہی ہو گی تمہاری جوتی۔ ہاں مسٹر طاہور، تم نے جواب نہیں دیا — کیا میں گولی چلاؤں؟"

"زاکیل کو صرف یہ بات معلوم ہے کہ میں ایک گاہک ہوں۔ اسے یہ بات بالکل معلوم نہیں کہ میرا تعلق الوزا کا سے ہے۔"

"بہت خوب، اب ہم اس کا کیا کریں محمود؟"

"جو دوسروں کا کیا ہے۔ اس موقعے پر کسی کو زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"بالکل ٹھیک۔" یہ کہہ کر فاروق نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا ہی تھا کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا:

"ٹھہرو بھئی، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا، انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔



"ہیلو دوست، تمہارا گروہ الوزا کہاں ہے؟ اس کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں، میں خود حیران ہوں۔"

"اچھا تو پھر ذرا اور حیران ہو لو، کیونکہ پھر تمہیں حیران ہونے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز حلق سے نکالی۔

"کیا مطلب؟" طاہور بوکھلا اٹھا۔

"یا تو تم یہ بتاؤ کہ الوزا کا کیا بنا، وہ کہاں ہے یا پھر جہنم کا رخ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اگر وہ زندہ ہیں تو یہیں کہیں ہوں گے اور اگر انہیں کوئی گولی لگ گئی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں — تمہیں چاہیے کہ لاشوں کو دیکھ لو۔"

"وہ ہم دیکھ لیں گے، پہلے تو تم اپنے ساتھیوں سے جا ملو، کیونکہ تمہیں ہمارے اصل نام معلوم ہو گئے ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے ٹریگر دبا دیا — گولی ٹھیک طاہور کی پیشانی میں لگی — وہ کسی شہتیر کی طرح گرا۔

"اب ہمیں تمام لاشوں میں الوزا کو تلاش کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنی جیب میں سے ٹارچ نکالی اور وہ چاروں لاشوں کو دیکھنے لگے — لیکن الوزا کا کہیں پتا نہ چلا — آخر وہ واپس مڑ کر پھر کار کی طرف آئے اور دھک

سے رہ گئے ۔

کالان کار کے پچھلے حصے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا — اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے — وہ یہ تو بھول ہی گئے تھے کہ اس دوران کالان کو ہوش بھی آ سکتا ہے —

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو" اس نے سفاک لہجے میں کہا۔

خوفناک فیصلہ

چند سیکنڈ کے لیے وہ بُت بنے کھڑے رہ گئے، پھر انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"تم لوگ بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو بھئی، ایسا بھی ہوتا ہے۔"

ہاتھ اوپر اٹھنے لگے، لیکن فرزانہ کا ہاتھ درمیان میں اٹک سا گیا — کالان کی پوری توجہ انسپکٹر جمشید کی طرف تھی — اب اسے کیا معلوم تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کن ہتھیاروں سے کام لیتے رہتے ہیں — اچانک کالان چیخ مار کر اچھلا اور گر کر بے ہوش ہو گیا —

"اس کیس میں ہم نے ان کھلونوں سے کام لینے کے سوا بھی کچھ کیا ہے؟" محمود نے بڑا سا منہ بنایا۔

"اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"خیر، اب پھر اسے ہوش میں لانا ہو گا۔ اس کے بعد ہی ہم روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان، آپ نے انوارا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا سوچوں، وہ کوئی ہوّا تو نہیں۔ دیکھ لیں گے اسے بھی۔" انھوں نے کہا۔

چند منٹ بعد ہی کالان کو ہوش آ گیا۔

"مسٹر کالان، میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے بچے کاراٹے جانتے ہیں، لیکن تم نے شاید اسے ایک گپ خیال کیا۔ اب بھی اگر مزاج درست نہیں ہوئے ہوں تو چند کرتب اور دکھائیں۔"

"نہیں، اب میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔" اس نے شکست زدہ آواز میں کہا۔

"تو پھر بیٹھ جاؤ کار میں، ہم اس کیمپ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

"وہ کیمپ یہاں سے بہت دور ہے۔ ہمیں شاید تمام رات سفر کرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے، کار میں اتنا پٹرول نہ ہو۔"

"پروا نہ کرو، یہاں انوارا کی چار جیپیں موجود ہیں۔ ان میں پٹرول کے گیلن ضرور موجود ہوں گے۔ محمود، فاروق جلدی کرو، جیپوں سے پٹرول نکال لاؤ۔"

"جی بہتر۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہو رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید اب کالان کے ڈرائیور کی وردی میں تھے۔ ان کے برابر کالان بیٹھا تھا۔ محمود،

فاروق اور فرزانہ ان سے پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور محمود کا ہاتھ کالان کی گردن سے لگا تھا۔ اس کی گردن اور انگوٹھی کی نوک میں بس آدھ انچ کا فرق تھا۔ سڑک پر لاتے ہی انسپکٹر جمشید نے کار کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔ ان کا رخ آگے کی طرف تھا، یعنی شہر سے مخالف سمت میں۔ تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک آگے دو سڑکوں میں بٹ گئی۔ کالان نے بائیں سڑک پر چلنے کا اشارہ کیا۔ سڑک دور دور تک سنسان تھی، شاید اس طرف کوئی نہیں آتا تھا، نہ یہ سڑک کسی شہر کو جاتی تھی۔ مزید ایک گھنٹے بعد پھر ایک دوراہا آیا اور کالان نے کار بائیں سڑک پر ڈالنے کا اشارہ کیا۔

"اب تین گھنٹے تک اسی سڑک پر چلنا ہو گا۔" کالان بولا۔

"اچھا۔" انھوں نے کہا اور رفتار بڑھاتے گئے۔

"تم بہت تیز چلا رہے ہو، کہیں گاڑی کنٹرول سے باہر نہ ہو جائے۔" کالان نے فکر مند ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو، یہاں کون سا سامنے سے کوئی گاڑی آ رہی ہے۔" وہ بولے۔

"تم کیمپ کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"ایک ضروری کام ہے۔" انھوں نے گول مول جواب دیا۔

"وہاں تمھیں موت ہی نصیب ہو گی۔" کالان بولا

"اگر نصیب میں یہی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد کالان اونگھنے لگا۔

"محمود، کہیں اس کے ساتھ تم بھی اونگھنا شروع نہ کر دینا۔ ہو سکتا ہے، یہ مکر کر رہا ہو۔"

"آپ مطمئن رہیں۔۔۔ میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔۔۔ تقریباً سوا دو گھنٹے بعد پھر ایک دوراہا آیا۔ انسپکٹر جمشید نے کالان کی طرف دیکھا۔۔۔ وہ بدستور اونگھ رہا تھا۔

"محمود، ذرا اس کے ایک ٹھوکا لگاؤ۔"

محمود نے کالان کا سر پکڑ کر زور سے ہلا دیا۔

"ہاں، کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اب کس طرف چلنا ہے۔"

"دائیں طرف۔۔۔ اب پھر تین گھنٹے چلنا ہے۔"

"یہ دوراہا تین گھنٹے کی بجائے سوا دو گھنٹے میں آیا ہے۔"

"اوہ، اس کا مطلب ہے، تم بہت تیز ڈرائیونگ کرتے رہے ہو۔"

"ہاں، میں دن نکلنے سے پہلے پہلے کیمپ تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے کار دائیں طرف موڑ لی اور پہلے سے بھی تیز ڈرائیونگ کرنے لگے۔ محمود چوکس بیٹھا تھا، لیکن فاروق اور فرزانہ اونگھنے لگے تھے۔ اس بار انہیں صرف دو گھنٹے چلنا پڑا۔ اور ایک دوراہا آ گیا۔۔۔ انہوں نے پھر کالان کو جھنجھوڑا اور بولے:

"دوراہا آ گیا ہے، اب کس طرف چلنا ہے؟"

"نہیں اب، ہم کیمپ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔۔۔ سیدھے چلتے رہو۔"

"دیکھ لو، کہیں تم ہمیں دھوکا تو نہیں دے رہے ہو۔۔۔ اس صورت میں ہم تمہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔۔۔ سیدھے چلو، آدھ گھنٹے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں یا نہیں۔"

انہوں نے کار آگے بڑھا دی اور آدھ گھنٹے بعد انہیں واقعی ایک کیمپ کے آثار دکھائی دیے۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے کار آہستہ کر دی، اور پھر کچھ اور آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔۔۔ اب انہیں کیمپ کی خاردار تاروں والی دیوار صاف دکھائی دینے لگی تھی اور وہ اپنے اندر جوش اور خوف دونوں کی آمیزش محسوس کر رہے تھے۔



وہ کار سے نیچے اتر آئے۔۔۔ کار انہوں نے درختوں کی اوٹ میں کھڑی کر دی تھی تاکہ کیمپ سے کسی کو نظر نہ آ سکے۔

"ہم یہاں ٹھہر کر پہلے کیمپ کا جائزہ لیں گے، پھر تم سے

چند ایک سوال کریں گے۔ اس کے بعد پھر کار میں بیٹھ کر کیمپ جائیں گے۔"

"اور کیمپ جا کر کیا کرو گے؟" کالان نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ محمود کی طرف مڑے۔

"محمود، تم اس کے پاس ہی موجود رہو گے۔ تمہاری مدد کے لیے فرزانہ کو بھی یہیں چھوڑے جا رہا ہوں، میں اور فاروق درختوں کی اوٹ لے کر کیمپ کو نزدیک سے دیکھنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد واپس لوٹ آئیں گے۔ آؤ فاروق۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔ فرزانہ نے فوراً اپنے راکٹ کو ہاتھ میں لے لیا، اور اس کی سوئی پر انگلی رکھ دی، تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً سوئی کو دبا سکے۔ ادھر محمود بھی چوکس کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید فاروق کے ساتھ کیمپ کی طرف بڑھنے لگے۔

ان کی واپسی تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد ہوئی۔ یہاں صورت حال جوں کی توں تھی۔ کالان نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، شاید اسے ان لوگوں کا اچھی طرح تجربہ ہو گیا تھا۔

"ہم کسی قدر نزدیک ہو کر کیمپ کا ایک رخ دیکھ آئے ہیں۔ چاروں طرف کا جائزہ نہیں لے سکے۔ کیمپ کے چاروں طرف

تاروں کی دیواریں ہیں اور یہ دیواریں بہت اونچی ہیں۔ کوئی ان پر آسانی سے نہیں چڑھ سکتا۔ دروازے پر ویسے ہی پہرہ رہتا ہوگا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" کالان نے کہا۔

"کیا تم اچھے بچوں کی طرح کیمپ کی سیر کراؤ گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سیر، تو کیا تم صرف سیر کرنے کی غرض سے یہاں تک آئے ہو؟" کالان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہی سمجھ لو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"خیر تو سنو، کیمپ کی سیر تو تم میرے ساتھ بہت آسانی سے کر سکتے ہو، لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اس کیمپ کی حفاظت کے لیے ایک ہزار سپاہی مقرر کیے گئے ہیں۔"

"تو ہمیں اس سے کیا، ہم صرف سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"آؤ پھر، دیر کس لیے کر رہے ہو۔" کالان نے کہا، لیکن وہ کچھ پریشان سا لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ چلو، خیال رہے، ہم کیمپ کے اندر پیدل سیر کریں گے۔ کار باہر ہی چھوڑ دیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انسپکٹر جمشید کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کالان نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا۔ انسپکٹر جمشید

نے پستول کی نال اس دوران بدستور اس کی طرف اٹھی رہی تھی — کالان کے بعد محمود نے پچھلا دروازہ کھولا اور فاروق اور فرزانہ کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا، کیونکہ خود اسے کالان کے عین پیچھے بیٹھنا تھا، پھر جوں ہی محمود اندر بیٹھا، انسپکٹر جمشید نے پستول جیب میں رکھ لیا — کیوں کہ اب محمود کالان کی گردن کے قریب انگوٹھی رکھ چکا تھا اور فاروق اور فرزانہ بھی ایک ایک پستول سنبھالے بیٹھے تھے —

"کیمپ کے نزدیک پہنچ کر تم دونوں اپنے پستول جیب میں رکھ لینا — کالان کے لیے محمود ہی کافی ہے — مسٹر کالان کو معلوم ہے، محمود جب چاہے، اسے بے ہوش کر سکتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے انجن چلا دیا — اور کار سڑک کی طرف چل پڑی — سڑک کے عین سرے پر کار پہنچی ہی تھی کہ محمود نے اپنے پیچھے سانپ کی پھنکار کی سی آواز سنی۔

"اپنے والد سے کہو کار کا رخ شہر کی طرف موڑ دے؛ ورنہ تمہاری گردن میں ایک سوراخ نظر آئے گا۔"

یہ پھنکار پوری کار میں پھیل گئی — انسپکٹر جمشید سناٹے میں آ گئے عین اس وقت جب وہ کیمپ کے نزدیک پہنچ گئے تھے اور کامیابی اب ان سے زیادہ دور نہیں تھی — اپنے خیال کے مطابق جب وہ تمام خطرات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے تو یہ پھنکار ان سے

چپکے پڑ گئی تھی —

انہوں نے صاف محسوس کیا تھا کہ آواز انوراکا کی ہے اور وہ کار کی سب سے پچھلی سیٹ سے بولا تھا — گویا اس وقت تک وہ پچھلی سیٹ کے نیچے یا درمیان میں دبکا رہا تھا۔ یہ ان کی غلطی تھی کہ جنگل میں انوراکا کو دشمنوں کے درمیان تو دیکھتے پھرے اور کار میں نہ دیکھا — لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ صورت حال اس وقت پوری طرح انوراکا کے ہاتھ میں تھی — وہ پیچھے مڑ کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے؛ تاہم انسپکٹر جمشید نے کار فوراً ہی شہر کی طرف نہیں موڑی — انوراکا کے الفاظ سنتے ہی ان کے ذہن میں بجلی سی کوندی اور پھر انہوں نے ایک لمحے کے اندر ایک فیصلہ کیا — ایک خوفناک فیصلہ —

اصل پروگرام

انسپکٹر جمشید نے سوچا تھا کہ اگر انھوں نے انوراکا کا حکم مان لیا اور کار کو شہر کی طرف موڑ دیا تو اب تک کے کیے کرائے پر پانی تو پھر ہی جائے گا ـــ دوست ملک کے قیدی بھی بدستور قیدی ہی رہیں گے اور خود وہ دشمن کی قید میں چلے جائیں گے اور دشمن ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالے گا؛ چنانچہ انھوں نے ان لمحات میں ایک خوفناک فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ جان جائے تو جائے، چاہے ہم میں سے کوئی کم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کار کا رخ شہر کی طرف نہیں کریں گے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ انوراکا کے الفاظ ختم ہوتے ہی یہ ظاہر کیا، جیسے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں، حواس جواب دے گئے ہوں، ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ـــ کار بری طرح لڑکھڑائی اور ایک درخت سے جا ٹکرائی ـــ سب کو ایک زبردست دھکا لگا اور اسی دھکے کے

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کار سے باہر آ گرے۔ انھوں نے بلا کی پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا تھا۔

دھکے نے انوراکا کو بھی ڈانوا ڈول کر دیا تھا ـــ محمود، فاروق، فرزانہ اور کالان بھی سنبھلے نہ رہ سکے تھے ـــ لیکن چونکہ انسپکٹر جمشید کا یہ اپنا پروگرام تھا، اس لیے انھوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا لیا تھا ـــ دوسرے ہی لمحے وہ لڑھکتے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں چلے گئے ـــ

انوراکا نے جب خود کو سنبھال کر ادھر دیکھا، جدھر انسپکٹر جمشید کے موجود ہونے کا امکان تھا تو اس نے انھیں غائب پایا ـــ وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ چال چل گئی ہے؛ چنانچہ اس نے پستول کا رخ محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف کرتے ہوئے کہا ـــ

"چلو باہر نکلو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو ـــ پستول کار میں ہی گرا دو ـــ"

تینوں باہر نکل آئے اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے ـــ اس دوران فاروق اور فرزانہ کوشش کے باوجود اپنے پین اور ٹارچ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے تھے، کیونکہ انوراکا کی نظریں ان پر بری طرح جمی ہوئی تھیں ـــ رہا کالان، اس کی طرف تو انوراکا نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا ـــ کالان تو جیسے انوراکا کی آواز

سُن کر پتھر کا بُت بن گیا تھا۔

"انسپکٹر جمشید عرف راحل، تم جہاں کہیں بھی چھپے ہوئے ہو، سامنے آ جاؤ! ورنہ میں تمہارے تینوں بچوں کو گولی کا نشانہ بنانے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا، میں نے تم لوگوں کو اسی وقت پہچان لیا تھا، جب تینوں بچوں نے اپنے اصل نام لیے تھے۔" جواب میں ایک فائر ہوا اور پستول انولا کا کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"بہت خوب، وہ مارا۔" فرزانہ خوشی سے چلائی۔ انولا کا دھک سے رہ گیا۔ اب کالان بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید درخت کے پیچھے سے نکل کر ان کے سامنے آ گئے تھے۔

"لو سامنے آ گیا، اور کیا حکم ہے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"اف خدا! کیا تم واقعی انسپکٹر جمشید ہو۔" کالان نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں، انولا کا کا اندازہ بالکل درست ہے اور میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی چھٹی حس واقعی صحیح خبر دیتی ہے۔" وہ بولے۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟" کالان نے کہا۔

"پروگرام کیا ہوگا۔ سیر کریں گے بھئی کیمپ کی۔"

"اس کے لیے انولا کا کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔ اب اس کی زندگی میری موت ہوگی۔" کالان نے سرد آواز میں کہا۔

"ملک کے غدار، میں تم سے سمجھ لوں گا۔" انولا کا نفرت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"اب تمہیں اتنا وقت کہاں ملے گا، مسٹر انسپکٹر جمشید، اگر تم کیمپ کی سیر کرنا چاہتے ہو تو انولا کا کو ختم کر دو۔"

"ہاں، مجھے یہی کرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور ان کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی چلی گئی۔ فائر ہوا، ساتھ ہی انولا کا اچھلا اور انسپکٹر جمشید پر آ گرا۔ ان کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ انولا کا گولی سے کس طرح بچ گیا اور نہ صرف بچ گیا، بلکہ ان کے اوپر بھی آ گرا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ابھی وہ حیران ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید انہیں زمین سے کئی فٹ اوپر اچھلتے نظر آئے۔ پستول بھی اب ان کے ہاتھ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ اس وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، جب انولا کا ان پر گرا تھا۔ یہ دیکھ کر ان تینوں نے کار کی طرف دوڑ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ کار سے اپنے پستول اٹھا چکے تھے اور ان تینوں کی نالوں کا رخ انولا کا کی طرف کر دیا گیا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو انولا کا۔" محمود سرد آواز میں بولا۔

"نہیں محمود، یہ مردانگی کے خلاف ہوگا۔ پہلے مجھے اس سے نبٹ لینے دو، اگر میں مارا گیا تو تمہیں اختیار ہوگا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک ایک قدم چل کر انوراکا کی طرف بڑھنے لگے۔ انوراکا انہیں طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی بچہ ان کے مقابلے میں آ رہا ہو۔ نزدیک پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے۔ بچاؤ کے لیے انوراکا نے بھی ہاتھ آگے کر دیے۔ دونوں نے انگلیوں میں انگلیاں پھنسا لیں اور ایک دوسرے کے بازو موڑنے کے لیے زور لگانے لگے، لیکن کئی منٹ کی زور آزمائی کے بعد بھی کوئی دوسرے کے بازو نہ موڑ سکا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے ایک جھٹکا مار کر انگلیاں نکال لیں۔ انہوں نے دائیں ہاتھ کا ایک مکا انوراکا کی ناک پر رسید کرنا چاہا، لیکن انوراکا نے تیزی سے جھکتے ہوئے ان کے پیٹ میں جوابی مکا مارا۔ وہ دوہرے ہو گئے۔ ساتھ ہی ان کی کمر پر انوراکا کا دوہتڑ لگا اور وہ دھپ سے زمین پر منہ کے بل گرے، فوراً ہی انوراکا انہیں چھاپ بیٹھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ان کی گردن کے گرد کس گئے۔ اب وہ ان کی کمر پر سوار تھا اور ان کی گردن اس کے دونوں ہاتھوں میں تھی۔ ان کا دم گھٹنے لگا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ پریشان ہو گئے۔ کالان کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں، کیونکہ اسے معلوم تھا، اگر انوراکا زندہ بچ گیا تو اس کی خیر نہیں۔ پھر انہوں نے

ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ انسپکٹر جمشید ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل پر آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہے تھے۔ انوراکا انہیں اوپر اٹھنے سے کسی طرح بھی نہیں روک سکا۔ تاہم اس نے گلا گھونٹنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔

اچانک انسپکٹر جمشید سیدھے اٹھ گئے۔ انہوں نے ایک زوردار چکر کھایا اور جھٹکے سے رک گئے۔ انوراکا اس جھٹکے کو ہضم نہ کر سکا، اس کے ہاتھ گردن سے الگ ہو گئے اور وہ پورے زور میں زمین پر گرا۔ یہ موقع انسپکٹر جمشید کے لیے بہترین تھا۔ انہوں نے تیزی سے جھکتے ہوئے بائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی گردن پر رسید کی۔ انوراکا کے حلق سے دبی دبی ایک چیخ نکل گئی، پھر انسپکٹر جمشید نے پستول محمود کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور نالی کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے بولے:

"لو مسٹر انوراکا۔ اب پھر بچ کر دکھاؤ۔ گولی تمہاری طرف آ رہی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا۔ انوراکا کے جسم کو زبردست دھکا سا لگا اور وہ تڑپنے لگا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔

"چلیے کالان صاحب، آپ کا دشمن ختم ہوا۔"

"بہت بہت شکریہ، میں آپ کو کیپ ای سیر پوائے ملکوا

سے کر سکوں گا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"تو پھر آیئے۔"

تھوڑی دیر بعد کار کیمپ کی طرف جا رہی تھی — خاردار تاروں کی دیوار لمحہ بہ لمحہ ان کے نزدیک آ رہی تھی اور جب وہ خاردار تاروں کی دیوار کے بالکل نزدیک پہنچے تو انہوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا —

تاروں سے ایک لاش لٹک رہی تھی۔ لاش کا بدن گولیوں سے چھلنی کیا جا چکا تھا — شاید اس قیدی نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور وہ خاردار تاروں کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر جانا چاہتا تھا، لیکن محافظوں نے ان پر گولیاں چلا دیں —

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو دیکھتے رہ گئے۔ آزادی کا متوالا اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔ ان کی کار اب دیوار کے ساتھ ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی —

○

"ایک بات یاد رکھیے کالان صاحب، سیر کے دوران صرف آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

"فکر نہ کریں۔ الوالا کو مار کر آپ نے وہ کام کیا ہے کہ

میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔" کالان نے خوش ہو کر کہا —

جوں ہی ان کی کار گیٹ تک پہنچی، پہرے دار اٹینشن ہو گئے۔ ان کے ہاتھ سلیوٹ کے لیے اٹھ گئے۔ ایڑیاں بجنے لگیں — کار کے لیے دروازہ کھول دیا گیا تھا، لیکن کالان نے کار باہر ہی چھوڑی اور ان کے ساتھ پیدل چلتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا — کچھ کہے بغیر وہ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا — سب سے آگے وہ تھا، اس کے پیچھے انسپکٹر جمشید اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ — فرزانہ کا ہاتھ اپنے کلپ پر تھا اور وہ ایک سیکنڈ میں اس کی سوئی دبا سکتی تھی — فاروق نے قلم اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انسپکٹر جمشید کے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے اور ان کے دائیں ہاتھ کی انگلی جیب میں رکھے پستول کے ٹریگر پر تھی۔

کمانڈر انچیف کے آنے کی اطلاع کرنل روباش کو مل چکی تھی، لہٰذا وہ دوڑتا ہوا آیا:

"اپنی ڈیوٹی پر موجود رہو روباش، میں اپنے مہمانوں کو ذرا کیمپ دکھانے لایا ہوں۔"

"لیکن سر...." روباش نے کچھ کہنا چاہا —

"کوئی لیکن ویکن نہیں، اپنی ڈیوٹی پر موجود رہو۔ میں چکر لگانے کے بعد تمہارے پاس آؤں گا اور تم سے چند سوالات کروں گا۔"

"اوکے سر" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا ۔۔۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے ۔

وہ آگے بڑھتے چلے گئے ۔۔۔ یہاں تک کہ قیدیوں کے احاطے میں پہنچ گئے ۔۔۔ اس وقت تک چونکہ دن نکل چکا تھا اور سورج کافی اوپر آ چکا تھا ۔ اس لیے تمام قیدی ایک کھلے میدان میں جمع تھے ۔ ان کے چاروں طرف سنگینیں لگی ہوئی رائفلوں والے پہرے دار موجود تھے ۔ یہ ان سے پریڈ کرا رہے تھے ۔۔۔ کالان کو دیکھ کر پہرے دار رک گئے اور جلدی جلدی اسے سلیوٹ کرنے لگے ۔

"تم لوگ ہٹ جاؤ، ذرا میں قیدیوں کے درمیان چل پھر کر ان کا جائزہ لوں گا" اس نے بلند آواز میں کہا ۔

اس کے سپاہی ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے ۔ ان کے چہروں پر بھی حیرت نظر آئی، لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھتے گئے ۔۔۔ قیدی کالان کی بجائے ان چاروں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے ۔۔۔ جب وہ قیدیوں کے عین درمیان میں پہنچ گئے تو انسپکٹر جمشید جان بوجھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگے ۔ یہاں تک کہ کالان سے کافی پیچھے رہ گئے ۔ اب انہوں نے دبی آواز میں اپنے نزدیک کے قیدیوں سے کہا :

"ہم تمہارے ملک کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں اور تم لوگوں کو

رہائی دلانے آئے ہیں ۔۔۔ یہ بات کانوں کان تمام قیدیوں تک پہنچا دو اور موقعے کے منتظر رہو ۔۔۔ میری طرف سے تمہیں اشارہ ملے گا"

قیدیوں نے ان کے الفاظ سن کر حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھا، شاید انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا، تاہم ان کی بات کانوں کان جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلتی چلی گئی ۔۔۔ اور صرف چند منٹوں میں سب کو یہ خبر ہو گئی ۔

ادھر انسپکٹر جمشید یہ پیغام دے کر پھر کالان کے پیچھے پہنچ گئے تھے ۔۔۔ تھوڑی دیر بعد جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ ان کا پیغام سب قیدیوں تک پہنچ گیا ہے، تو اچانک انہوں نے کالان سے کہا :

"مسٹر کالان، اب ہمارا اصل پروگرام شروع ہوتا ہے"

"اصل پروگرام، کیا مطلب؟" کالان نے چونک کر کہا ۔

انسپکٹر جمشید نے قیدیوں کو اشارہ کیا ۔

"کالان کو دونوں طرف سے اچھی طرح پکڑ لو"

"کیا مطلب؟" کالان چونکا ۔

"ہم ان قیدیوں کو چھڑانے آئے ہیں ۔۔۔ اپنے پہرے داروں سے کہو، وہ رائفلیں گرا دیں ؛ ورنہ ہم تمہارا جسم بالکل اسی طرح گولیوں سے چھلنی کر دیں گے ۔۔۔ جس طرح تاروں سے لٹکی اس لاش کا جسم

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم ایسا ہی کوئی ارادہ رکھتے ہو ۔۔۔ لیکن [illegible] کر ہی کیا سکتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے پہرے داروں کو حکم دیا

"اپنی رائفلیں نیچے رکھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ — میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

پہرے داروں نے اس حکم کو حیران ہو کر سنا، کیونکہ کمانڈر انچیف قیدیوں کے درمیان گھرا نظر آ رہا تھا، ظاہر ہے، ایسے میں وہ ان کا کیا امتحان لیتا؛ تاہم انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور رائفلیں نیچے گرا دیں — انسپکٹر جمشید کے اشارہ کرنے پر قیدی آگے بڑھے اور تمام رائفلیں اپنے قبضے میں کر لیں —

"اب تم سب اپنے منہ دوسری طرف کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ لیکن وہ جوں کے توں کھڑے رہے۔

"مسٹر کالاں، انہیں حکم دیں۔"

"منہ دوسری طرف کر لو۔"

سب نے منہ دوسری طرف کر لیے —

"ان سب کی کمروں سے سنگینوں کی نوکیں لگا دو — انگلیاں ٹریگروں پر رکھ لو اور صحن سے باہر گیٹ کی طرف انہیں آگے رکھے ہوئے چلو، اگر تم پر حملہ کیا گیا تو پہلے یہ لوگ مریں گے۔"

قیدیوں نے ایک زور دار نعرہ لگایا اور انہوں نے پہرے داروں کو سنگینوں کے ذریعے آگے کی طرف دھکیلنا شروع کیا — صحن سے باہر نکلے تو سامنے سے کرنل روباش پریشان سا آتا دکھائی دیا —

"کرنل روباش، تم ہماری رائفلوں کی زد میں ہو، اس لیے ہاتھ

اوپر اٹھا دو۔"

روباش نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ منظر دیکھا اور پھر جب ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تو اس نے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھا دیے، کیونکہ اس کا تو کمانڈر ان لوگوں کی قید میں تھا۔

"اب اپنے تمام ساتھیوں کو میدان میں بلا لو، فوراً — اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو بہت خونریزی ہو گی۔"

کرنل نے تین بار سیٹی بجائی، تمام سپاہی چند منٹ کے اندر اندر میدان میں جمع ہو گئے —

"انہیں حکم دو کہ اپنی رائفلیں گرا دیں؛ ورنہ تمہارا اور مسٹر کالاں کا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔"

"رائفلیں نیچے رکھ کر کمانڈر کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے تیار ہو جاؤ —" کرنل روباش نے محتاط الفاظ استعمال کیے، سپاہیوں نے رائفلیں نیچے رکھ دیں —

"اب منہ دوسری طرف کر لو۔"

ان کے منہ دوسری طرف کرنے کی دیر تھی کہ انسپکٹر جمشید کے اشارے پر قیدیوں نے ان رائفلوں پر بھی قبضہ کر لیا —

"اب آپ ان سب کو گھیرے میں لے لو — ان کے کپڑے اتروا کر خود پہننا شروع کر دو — میں اس کام کے لیے تمہیں صرف دو گھنٹے دیتا ہوں — دو گھنٹے کے بعد ہم مسٹر کالاں کے ساتھ یہاں سے جیپوں میں

تمہارے ملک کی سرحد کی طرف روانہ ہوں گے۔ سرحد پر پہنچ کر مسٹر کالان سرحد پر اس جگہ موجود سپاہیوں کو وہاں سے ہٹا کر انہیں متعین کرنے کا کام شروع کر دیں گے اور پھر صرف ہم مسٹر کالان کو اپنے ساتھ لے کر تمہارے ملک کی سرحد کی طرف بڑھیں گے، کیونکہ سب کے اس طرف بڑھنے کی صورت میں ادھر سے فائرنگ شروع کر دی جائے گی۔ لیکن جب میں جا کر صورتِ حال بتاؤں گا تو پھر تم سب بحفاظت اپنے ملک میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اور اس کے بعد؟" کالان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اس کے بعد تم آزاد کر دیے جاؤ گے، مسٹر کالان۔"

"لیکن میں کس طرح یقین کر لوں؟"

"یقین کرنے کے سوا تمہارے لیے راستہ بھی کون سا رہ گیا ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" اس نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

لباس کی تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا۔ دو گھنٹے بعد انہوں نے تمام قیدیوں کو باندھ باندھ کر کیمپ کے اندرونی حصے میں ڈال دیا تھا اور خود ان کے لباس پہن لیے تھے۔ روباش کو بھی باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ تمام وائرلیس سیٹ توڑ دیے گئے تاکہ کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ اس کے بعد تمام جیپوں میں قیدی سوار ہو گئے۔ سب سے اگلی جیپ میں کالان، انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ سوار ہو گیا۔ اب بھی محمود کا ہاتھ اس کی گردن کے

بالکل نزدیک تھا اور اس طرح وہ کیمپ سے روانہ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید خون کا ایک قطرہ تک بہائے بغیر یہاں سے روانہ ہو رہے تھے، اگر وہ چاہتے تو کیمپ میں موجود تمام سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا، لیکن انہوں نے غیر ضروری کشت و خون کو مناسب نہیں سمجھا۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے اس قیدی کی لاش بھی تاروں پر سے اتروا لی تھی۔ قیدیوں سے معلوم ہوا کہ ان کے نہ جانے کتنے ساتھی فرار ہونے کی کوشش میں اب تک شہید ہو چکے ہیں۔

رات کے دس بجے کے قریب وہ سرحد پر پہنچ گئے۔ سرحد پر فوجی جیپوں کی آمد سے سرحد پر موجود سپاہیوں کو یہ بات سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی تبدیلی عمل میں آنے والی ہے، پھر جب کالان نے انہیں پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا تو انہیں تبدیلی کا یقین ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ، کالان کو ساتھ لے کر سرحد کے دوسری طرف یعنی دوست ملک کی طرف رخ کر رہے تھے۔ اس طرف جب موجود سپاہیوں نے کچھ لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ چوکس ہو گئے۔ کچھ اور نزدیک پہنچنے پر انہوں نے کہا۔

"خبردار، وہیں رک جاؤ، تم لوگ ہماری حدود میں گھس آئے

ہو — کیوں نہ تم پر گولی چلا دی جائے۔"

"ہم دوست ہیں — میرا نام انسپکٹر جمشید ہے — تم وزیر دفاع عالی شاہ کو فون کرکے میرے بارے میں ہدایات لے سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے پُر وقار انداز میں کہا۔

"اوہ، آپ کے بارے میں تو ہمیں پہلے ہی اطلاعات مل چکی ہیں۔" آواز سنائی دی، پھر ایک فوجی آگے بڑھنے لگا — یہ ایک کیپٹن تھا — اس نے انسپکٹر جمشید سے ہاتھ ملایا اور بولا:

"لیکن میں کیسے یقین کروں کہ یہ آپ ہی ہیں؟"

"میرے ساتھ ان تینوں بچوں کو دیکھ کر آپ کو کوئی شک نہیں رہ جانا چاہیے — کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تینوں بھی اس مہم پر میرے ساتھ روانہ ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اسے یاد دلایا۔

"جی ہاں، ہمیں معلوم ہے — خیر، یہ بتایئے، اب صورتِ حال کیا ہے؟"

انہوں نے جلدی جلدی صورتِ حال بتائی — کیپٹن سوچ میں پڑ گیا اور بولا:

"لیکن جناب، میں اتنا بڑا خطرہ کس طرح مول لے سکتا ہوں، دیکھئے نا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دشمن یہ چال چل کر ہم پر بے خبری میں حملہ کرنے کا پروگرام بنا چکا ہو۔"

"ہاں ٹھیک ہے — خیر ہم اپنے میک اپ اتار کر آپ کو اپنے اصلی چہرے دکھاتے ہیں، اگر پھر بھی یقین نہ آیا تو عالی شاہ صاحب کو فون کیا جائے گا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے — کہیں ایسا نہ ہو، ان لوگوں کو کسی طرح اس واقعے کی اطلاع ہو جائے اور آپ کے قیدی، قیدی ہی رہ جائیں۔"

"ہوں — خیر، آپ کم از کم میک اپ تو اتار کر دکھائیں۔"

چند منٹ کے اندر انہوں نے میک اپ اتار دیا اور ان کے اصلی چہرے نظر آنے لگے — کالان اور کیپٹن یہ سب کچھ حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے — آخر کیپٹن نے کہا،

"ٹھیک ہے، وقت نازک ہے — اس لیے آپ جا کر قیدیوں کو لے آیئے — کہیں آپ کی محنت ضائع نہ چلی جائے۔"

"شکریہ، آپ کو یقین تو آیا۔"

یہ کہہ کر وہ کالان کو لے کر واپس پلٹے — دوسری طرف پہنچ کر انہوں نے قیدیوں کو اشارہ کیا اور وہ جلدی جلدی سرحد عبور کرنے لگے — ان سے پہلے سرحد پر جو سپاہی کھڑے تھے، وہ یہی خیال کر رہے تھے کہ ان کا کمانڈر کوئی فوجی چال چل رہا ہے — اور جب تمام قیدی اپنے ملک کی حد میں داخل ہو گئے تو انسپکٹر جمشید نے کالان سے کہا:

"مسٹر کاؤن، میں نے آپ کو زندہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا، میں یہ وعدہ پورا کر رہا ہوں۔ آپ کا دشمن بھی ہلاک ہو چکا ہے، لہٰذا اب آپ کوشش کیجیے گا کہ اپنے پڑوسی ملک سے دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اسی میں آپ کی اور آپ کے پڑوسی ملک کی بہتری ہے۔ بڑی طاقتیں چھوٹے ملکوں کو آپس میں لڑا لڑا کر اپنا مفاد حاصل کرنے کے منصوبے بناتی رہتی ہیں۔ اچھا، اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ میری جیب میں موجود پستول کی نالی کا رخ ابھی تک آپ کی طرف ہے اور انگلی ٹریگر پر رکھی ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے بچے بھی پوری طرح ہوشیار ہیں اور آپ کو آناً فاناً بے ہوش کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ لوگ بے فکر ہو کر جا سکتے ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ نے الوالکا کا کانٹا نکال دیا ہے۔"

انہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور الٹے قدموں واپس ہوئے۔ وہ اسی طرح چلتے ہوئے دوست ملک کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے۔ خطرہ تھا کہ کاؤن اچانک حملہ نہ کرا دے لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی اور وہ خیریت سے قیدیوں تک پہنچ گئے۔ کاؤن ابھی تک کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ دوسری طرف مڑے تو انہوں نے دیکھا، تمام قیدی ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور ان کی بندوقیں نیچے پڑی تھیں۔

دھمکی

"یہ کیا؟ تم ہاتھ اوپر اٹھائے کیوں کھڑے ہو؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"کیپٹن کا حکم یہی ہے، شاید وہ ابھی تک اس سارے چکر کو کوئی چال سمجھ رہے ہیں۔" ایک قیدی نے کہا۔

"اوہ، میں بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے۔ انہیں جلد ہی کیپٹن کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔ وہ اس وقت وائرلیس پر کسی سے بات کر رہا تھا پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا:

"میں نے عالی شاہ صاحب کو اطلاع دی ہے، وہ ابھی پہنچ رہے ہیں۔ اس وقت تک قیدیوں کو اسی طرح کھڑے رہنا ہوگا۔"

"آپ شاید ضرورت سے زیادہ ہی محتاط آدمی ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

کیپٹن نے انہیں کرسیوں پر بٹھا دیا۔ بیس منٹ بعد عالی شاہ

خیمے میں داخل ہوئے اور بے ساختہ انسپکٹر جمشید سے بغل گیر ہو گئے۔

"اف میرے خدا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ نہ صرف اس کیمپ کا پتا لگا کر آ جائیں گے، بلکہ قیدی بھی چھڑا کر لے آئیں گے۔ آخر یہ کیسے ہو گیا؟ مجھے تو اپنے کانوں پر اب تک یقین نہیں آ رہا۔" وہ جذباتی انداز میں کہتے چلے گئے۔

"پہلے تو ان قیدیوں کی مشکل آسان کرائیے، جو پچیس منٹ سے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے ہیں اور پہلے ہی کئی ماہ دشمن کی قید میں سختیاں جھیل کر آئے ہیں۔"

"اوہ ہاں، کیپٹن کو اس سلسلے میں کچھ الزام نہیں دینا چاہیے تھا۔ دراصل میں نے انہیں صرف آپ کے اور بچوں کے بارے میں تو بتا رکھا تھا، یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ سارے قیدیوں کو بھی واپس لے آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے ان سے گلہ نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد عالی شاہ ان کی کہانی سن رہے تھے اور بار بار کرسی سے اچھل اچھل پڑ رہے تھے۔ ان کے خاموش ہونے پر وہ بولے:

"آپ کو میرے ساتھ اسی وقت صدر صاحب کے ہاں چلنا ہوگا۔ آپ کے اس کام کے لیے شکریہ وہی ادا کر سکتے ہیں۔"

صدر صاحب سے ملاقات اور بھی خوش گوار رہی۔ انہوں نے

کم از کم ایک دن ان کا مہمان بننے پر انہیں مجبور کر دیا۔ دوسرے دن دشمن ملک کا اخبار ان کے سامنے رکھا گیا — وہ یہ خبر پڑھ کر دھک سے رہ گئے کہ الوراکا زندہ بچ گیا تھا — اس کے ساتھی اسے تلاش کرتے ہوئے کیمپ تک پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اسے ہسپتال پہنچا دیا تھا — الوراکا کے بیان پر کالان اور وشپا کو گرفتار کر لیا گیا تھا — الوراکا کی طرف سے ایک دھمکی بھی شائع ہوئی تھی — دھمکی کے الفاظ یہ تھے:

"یہ جو کچھ ہوا کالان اور وشپا کی وجہ سے ہوا اور اس سانحے کے اصل مجرم انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں، لہذا میں بہت جلد اپنا انتقام ان لوگوں سے لوں گا — یہ میرے انتقام سے کسی صورت بچ نہیں سکیں گے۔ میں کسی روز اچانک ان کے ملک میں پہنچ جاؤں گا اور پھر ان سے سمجھ لوں گا —

الوراکا"

"اسے چاہیے کہ فرزانہ سے ایجرا سیکھ لے، یہی کافی ہو جائے گا۔" محمود نے دھمکی کے الفاظ پڑھنے کے بعد کہا۔

"پھر تو ہمیں اس کے استقبال کے لیے اپنے ملک پہنچ جانا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"اب وہ اتنی جلدی تو آنے سے رہا۔" فرزانہ بولی۔

"خیر، کچھ بھی ہو — وہ جب بھی آئے، ہے وہ ایک خوفناک دشمن۔" محمود بولا۔

"تو کیا ہم اس سے ابھی سے خوف کھانا شروع کر دیں؟" فاروق نے منہ بنایا —

"یہ کس احمق نے تم سے کہا ہے؟" محمود اس پر الٹ پڑا —

"تم نے۔" فاروق شریر انداز میں مسکرایا اور محمود کا ہاتھ اس پر چل گیا — فاروق نے بڑی مشکل سے خود کو اس کے ہاتھ سے بچایا اور فرزانہ سے بولا:

"فرزانہ، مہربانی فرما کر اس ہاتھ کو تم وصول کر لو، میں بہت تھک گیا ہوں۔"

اس وقت تک فرزانہ کے گال پر محمود کا ہاتھ زور سے پڑ چکا تھا — وہ تلملا اٹھی اور جھلا کر فاروق پر جھپٹی —

"ارے ارے، میں نے کیا کیا ہے — ہاتھ تو محمود کا رسید کیا ہے تم نے۔"

فاروق بوکھلا کر بولا اور ساتھ ہی اٹھ کر بھاگا۔ دوسری طرف سے سردار صاحب چلے آ رہے تھے — یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — شاید وہ سوچ رہے تھے کہ یہ ہیں وہ بچے جن کی مدد سے انسپکٹر جمشید حیرت انگیز کارنامے انجام دیتے

ہیں — فاروق انہیں دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا — اور جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا — اس کے مسکرانے کے انداز نے صدر صاحب کو بے تحاشا ہنسنے پر مجبور کر دیا، پھر کیا تھا، انسپکٹر جمشید سمیت سبھی ہنس دیے تھے —

دھماکہ

کے منتظر قارئین کے لیے اس سال کا دھماکہ

آپ کے دو جانے پہچانے نام

"چاند ستارے"

کے بعد — پھر ایک مرتبہ — ایک ساتھ

سعید مختار — طاہر ایس ملک

کی مشترکہ پیش کش

عمران سیریز

سعید مختار اور طاہر ایس ملک

کی

- یہ تخلیق، تفریحی اور جاسوسی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ثابت ہوگی۔
- ابن صفی (مرحوم) کے خوبصورت کرداروں کو زندہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش
- ابن صفی کی یادیں تازہ کر دینے والے ناول بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔

تفصیلات کے لیے آئندہ ماہ کے ناول دیکھنا نہ بھولیے گا



اشتیاق احمد — یہ نام اچانک میرے سامنے آیا اور میرے دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھا گیا کہ جاسوسی ادب میں یہ نام گردش کرتا نظر آیا۔ دیوانگی کی حد تک ان کے ناولوں نے میرا گھیراؤ کر لیا۔ اور لیا میں وقت ان کی ناولوں کے مطالعے میں گزرنے لگا۔ اس وقت میں نے یہ بات خواب میں بھی نہیں سوچی تھی کہ ایک دن میں ذاتی طور پر اشتیاق احمد سے منسلک ہو جاؤں گا۔ پاکستان آ کر ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

اشتیاق احمد بچوں کے لیے بیس سال سے لکھ رہے ہیں اور مجھے لگتا ہے ہونے کی بجائے بچے بڑے ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے۔ کہیں ہمارے اصلی قارئین ہم سے چھوٹ نہ جائیں۔

اس حوالے سے بچے انھیں پسند کرتے ہیں کہ وہ کوئی بہت پرانے بوڑھوں کی طرح ناولوں میں نصیحتیں کرتے نظر نہیں آتے۔ بلکہ ہلکے پھلکے انداز میں مزاح کے رنگ میں، جاسوسی کے لبادے میں، اصلاحات کی رو میں اپنے کرداروں کے ساتھ ساتھ قارئین کو بہائے لیے جاتے ہیں۔

اور یہی ان کا مخصوص انداز ہے۔

[illegible]

ترتیب پبلشرز :- ۱- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ ' اردو بازار لاہور